بانی: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

۱۱ شوال ۱۴۲۸ھ —— نومبر ۲۰۰۷ء

ان الحکم الا للہ

''حکمرانی کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔'' (القرآن)

★ جمہوریت کا خونیں سفر
★ ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا
★ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علامہ اقبالؒ
★ جنرل ہسپتال لاہور قادیانیوں کے نرغے میں
★ مرزا قادیانی...... نیم حکیم خطرۂ جان
★ وہ شر پسند کہاں ہیں؟

نورِ ہدایت

القرآن

''اگر ناشکری کروگے تو اللہ تم سے بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر شکر کروگے تو وہ اس کو تمہارے لیے پسند کرے گا اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ تم کو بتائے گا۔ وہ تو دلوں کی پوشیدہ باتوں تک سے آگاہ ہے۔ اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارتا (اور) اُس کی طرف دل سے رجوع کرتا ہے۔ پھر جب وہ اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت دیتا ہے تو جس کام کے لیے پہلے اُس کو پکارتا ہے اُسے بھول جاتا ہے اور اللہ کا شریک بنانے لگتا ہے تاکہ (لوگوں کو) اُس کے رستے سے گمراہ کرے۔ کہہ دو کہ (اے کافر نعمت) اپنی ناشکری سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالے پھر تو تُو دوزخیوں میں ہوگا۔'' (سورۃ الزمر: ۷، ۸)

الحدیث

''سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! عنقریب ایک ایسا وقت بھی آرہا ہے کہ ایک شخص کو میری حدیث پہنچے گی اور وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا (تو حدیث سن کر) وہ کہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان صرف اللہ کی کتاب ہے پس جو چیزیں اس میں حلال پائیں گے انھیں حلال سمجھیں گے اور جن چیزوں کو اس میں حرام پائیں گے انھیں حرام سمجھیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جو چیز اللہ کے رسول نے حرام کردی وہ ایسی ہی ہے جیسے اللہ کی حرام کی ہوئی چیز۔''

(ابوداؤد والترمذی)

الآثار

جمہوریت.....فردوس نما دوزخ

''دنیا کے سیاسی نظریوں میں جس قدر پُر فریب اور پُر تلبیس نظریہ جمہوریت ہے اس قدر کوئی بھی نہیں ہے۔ بظاہر یہ ایک جنت ہے۔ جس میں خوف اور حزن کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ جس میں شخصی آزادی کی حفاظت ہوتی ہے۔ جس میں انسانیت کی قدر و قیمت پہچانی جاتی ہے اور جس میں غربت وامارت کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔

لیکن جب اس کے باطن پر نظر کی جائے تو یہ ایک جہنم نظر آتی ہے۔ جس میں تکالیف اور پریشانیاں بھری پڑی ہیں۔ جس میں انسانیت کو کند چھری سے ذبح کیا جاتا ہے۔ جس میں شخصی آزادی کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور جس میں غریب وکمزور کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جمہوریت کے کل معائب اور خرابیوں پر غور کرنے سے اس فردوس نما دوزخ کی حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے۔''

مفکر اسلام مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی رحمہ اللہ

(''اسلام کا سیاسی نظام''۔ ص ۲۹۴)

بیاد
سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی
ابن امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

جلد 18 شمارہ 11 شوال 1428ھ — نومبر 2007ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

تشکیل

بازگشت:	وعدۂ خلافت کب پورا ہوگا؟	سید عطاء المحسن بخاریؒ	2
دل کی بات:	جمہوریت کا خونیں سفر	مدیر	3
شذرہ:	جنرل ہسپتال لاہور قادیانیوں کے نرغے میں	عبداللطیف خالد چیمہ	4
دین و دانش:	درسِ حدیث: فرائض ایمان میں داخل ہیں	مولانا عبداللطیف مدنی	5
//	وہ شر پسند کہاں ہیں؟	پروفیسر ابوطلحہ عثمان	8
//	صہر النبی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ	ابوسفیان تائب	11
//	حدیث اور انکارِ حدیث	عبدالمنان معاویہ	16
افکار:	"ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا"	سید عطاء المحسن بخاریؒ	22
//	اعتبار کی دلدل	سید محمد معاویہ بخاری	24
//	کیا حسنِ انتظام ہے؟	سیف اللہ خالد	28
//	پاکستان کی ترقی میں دینی مدارس کا معاشرتی کردار	مولانا مشتاق احمد چنیوٹی	30
شاعری:	نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر محمد اکرام تائب	40
//	نظم: مزدور کی بیوہ	احسان دانشؒ	41
//	نظمیں (سید کاشف گیلانی، کامران رعد)		42
نقد و نظر:	مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علامہ اقبالؒ عادی مجرموں کی زبان درازیاں	شورش کاشمیریؒ	43
شخصیت:	اقبال کا مردِ مومن (بیاد: سید عطاء المحسن بخاریؒ)	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	46
طنز و مزاح	زبان میری ہے بات اُن کی	ساغر اقبالی	52
ردِّ قادیانیت:	مرزا قادیانی...... نیم حکیم خطرۂ جان	عرفان محمود برق	53
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام کی سرگرمیاں	ادارہ	60
مکتوب:	مولانا عبدالرشید ربانی بنام عبداللطیف خالد چیمہ		63

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابن امیرِ شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری

معاون مدیر
شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

رفقاءِ فکر
پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ، سید یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ، محمد عمر فاروق

آرٹ ایڈیٹر
محمد الیاس میرانپوری

ilyas_miranpuri@yahoo.com
ilyasmiranpuri@gmail.com

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد

زرِ تعاون سالانہ
اندرون ملک ——— 150 روپے
بیرون ملک ——— 1500 روپے
فی شمارہ ——— 15 روپے

ترسیلِ زر بنام: نقیبِ ختمِ نبوت

اکاؤنٹ نمبر 5278-1
یو بی ایل چوک مہربان ملتان

ای میل ایڈریس
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

رابطہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961

وعدۂ خلافت کب پورا ہوگا.....؟

سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

انسانی معاشرہ میں انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ بہت بڑا عملِ صالح ہے۔ کاش! ہمارے معاشرے کے لوگ اس حقیقت سے واقف ہو جائیں۔ عملِ صالح، جہاد اور تبلیغ ہے۔ صرف انفرادی عمل ہی عملِ صالح نہیں ہیں۔ اسلام انفرادی مسئلہ نہیں ہے۔ نظامِ جدید نے پوری قوت اسی بات پر صرف کی ہے کہ دین انفرادی معاملہ ہے۔ حالانکہ دین ہی ایک اجتماعی اور قومی معاملہ ہے۔ دیگر تمام معاملات اس کے ماتحت ہیں۔ اور جب تک ہم دین پر عمل نہیں کریں گے۔ اجتماعی طور پر اس کو لے کر آگے نہیں بڑھیں گے۔ وعدۂ خلافت پورا نہیں ہوگا۔ بارش کی طرح آسمان سے خلافت نہیں برسے گی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی زندگی ہمارے لیے قانونی، شرعی ہر اعتبار سے ضابطہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک پھینکنے کے طریقے سے لے کر کارِ حکومت انجام دینے تک ہر طرح کی رہنمائی فرمائی ہے۔ پاکستان میں اسلام کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ جمہوریت اور اس نظام کے ساتھ ہمارے ملک کی دینی جماعتوں کی مفاہمت ہے اور اس پر پوری کائنات کے لیے رہنما اصول، سرورِ کونین، امام المشرقین والمغربین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''چچا جان! میرے دائیں ہاتھ پر آفتاب رکھ دیجیے، بائیں ہاتھ پر ماہتاب اور یہ کہیے کہ میں اللہ کے دین کی تبلیغ میں کوئی نرمی برتوں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں کلمۃ اللہ کو بلند کر کے رہوں گا یا اس راستے میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس راہ میں جتنی مشکلات ہیں ان سے نبرد آزما رہوں گا۔ قدم قدم پر مقابلہ کروں گا۔

یہ ہے دین کا منشور اور پروگرام۔ اس کے علاوہ اور ہمارا کوئی منشور نہیں ہے۔ پاکستان کی اکثر پولیٹیکل پارٹیاں سیکولر اور لادین ہیں۔ کسی کا مقصد دین نہیں ہے۔ خصوصاً مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی.....دونوں بے دینی کا سیلابِ بے پناہ ہیں۔ دونوں دین دشمنی اور سیکولرازم کی حمایت میں ایک ہیں۔ ان دونوں کا سارا زور اس بات پر ہے کہ دین کو انفرادی معاملہ قرار دے کر اجتماعی زندگی اور قومی معاملات سے اسلام اور اسلامی اقدار کو الگ کر دیا جائے۔ ہمارے حکمران اور سیاست دان پچاس برس سے اسلام اور عوام کے حقوق کا استحصال کر رہے ہیں۔ جب کہ ہماری مذہبی جماعتیں سیکولر طبقات سے مفاہمت اختیار کر کے اپنے آپ کو دھوکہ دے رہی ہیں۔

احرار، جمہوریت اور سیکولرازم جیسے کافرانہ اور ملحدانہ نظریات کے خلاف پوری قوت سے رکاوٹ پیدا کریں گے۔ احرار صرف دین کے نوکر ہیں۔ ہم نتائج سے بے پروا ہو کر محض اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور یہ ہمارے لیے اعزاز کی بات ہے۔ ان شاء اللہ احرار آخر دم تک یہ فریضہ دینی خدمت سمجھتے ہوئے سرانجام دیتے رہیں گے۔

(جماعت کا منصبِ امارت سنبھالنے کے بعد دفتر احرار لاہور میں استقبالیہ تقریب سے خطاب۔ مارچ ۱۹۹۸ء)

دل کی بات　　مدیر

جمہوریت کا خونیں سفر

پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو آٹھ سالہ خود ساختہ جلاوطنی ختم کر کے ۱۸/اکتوبر کو وطن واپس لوٹ آئیں۔ایک طویل عرصے کے بعد اُن کے پیٹ میں قوم اور ملک کی خیر خواہی اور جمہوریت کی بحالی کا درد مروڑ لے کر اٹھا اور وہ بے چین ہو کر وطن واپسی پر مجبور ہو گئیں۔ جنرل پرویز مشرف سے ڈیل کے بعد ''قومی مفاہمتی آرڈیننس'' کے تحت وہ موت کی ملکہ بن کر فضاؤں کو چیرتی ہوئی کراچی اتریں اور اپنے جیالوں کو دو بم دھماکوں کی سلامی دی۔ڈیڑھ سو زائد لاشیں تڑپائیں اور چار سو سے زائد جیالے زخمی کر کے اُن کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔یہ بحالیٔ جمہوریت کا آغاز ہے،انجام کیا ہوگا؟

وفاقی وزیر ریلوے شیخ رشید احمد نے ملتان میں پیش گوئی کرتے ہوئے کہا ہے:

''درجنوں خودکش حملہ آور پائپ لائن میں ہیں۔آئندہ الیکشن خونیں ہوگا۔جس نے بھی سامراج کی حمایت کی،وہ حملوں کی زد میں ہے۔''

جنرل پرویز نے جس بے نظیر کو تیسری بار وزیراعظم بننے سے قانونی طور پر روکا،قومی خزانے سے اربوں روپے لوٹنے کا الزام لگایا اور مقدمات قائم کیے،اب انھی سے مفاہمت کر کے کرپشن کو سندِ جواز فراہم کر رہے ہیں۔

وزیرستان،سوات اور دیگر سرحدی علاقوں میں فوج اور عوام کے مسلح تصادم نے انتہائی سنگین صورت اختیار کر لی ہے۔وہ ملک وقوم کے مفاد میں یہاں ''قومی مفاہمت'' کو کیوں اختیار نہیں کرتے؟

پاکستان کے عوام بے نظیر اور نواز شریف دونوں کو دو دو مرتبہ اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان کر کے طویل سزا بھگت چکے ہیں۔اگر ہمارا حافظہ درست ہے تو دونوں رہنما اور ان کی جماعتیں سامراج کی ایجنٹ اور لادین ہیں۔اسلام اور اسلام پسندوں کو ان سے خیر کی کوئی توقع پہلے تھی نہ اب ہے۔بے نظیر امریکی ایجنڈے کے تحت آئی کیا،بھجوائی گئی ہیں۔جنرل پرویز کے باقی ماندہ پروگرام کی تکمیل انھی کے ہاتھوں ہوگی۔نواز شریف نے سی این این کو ایک انٹرویو میں کہا کہ:''انھوں نے بھاری مینڈیٹ کے بل بوتے پر نفاذِ شریعت کی کوشش کی تھی لیکن آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔''لیکن انھیں ابھی تک امریکہ نے ''اوکے'' نہیں کیا۔

متحدہ مجلس عمل جس ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے،وہ انتہائی قابلِ افسوس ہے۔عوام نے جس ایجنڈے پر انھیں کامیابی سے ہمکنار کیا تھا مجلس کی قیادت اس سے انصاف نہیں کر سکتی۔عوام کو مایوسی بھی ہوئی اور صدمہ بھی۔مجلس کے رہنماؤں کو مل بیٹھ کر سوچنا چاہیے اور عوام کے اعتماد کو بحال کرنا چاہیے۔اگر یہی صورت حال رہی تو آئندہ انتخابات میں مذہبی قوتوں کو ہونے والے نقصان کا ازالہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔

جمہوریت کا خونیں سفر جاری ہے۔بم دھماکوں،فوج اور عوام کے تصادم،بدامنی،لوٹ مار،عدم تحفظ اور خوف وہراس کے ماحول میں لادین ''خونی'' قیادت صہیونی واستعماری ایجنڈے کی تکمیل کی طرف رواں دواں ہے۔اللہ اس ملک اور قوم کے حال پر رحم فرمائے ورنہ.....

دستِ قاتل میں ہے تلوار خدا خیر کرے
خون اچھلنے کے ہیں آثار خدا خیر کرے

جنرل ہسپتال لاہور قادیانیوں کے نرغے میں

عبداللطیف خالد چیمہ

مصدقہ اطلاعات کے مطابق جنرل ہسپتال لاہور کو مشہور قادیانی ڈاکٹر مبشر احمد چودھری کے ایماء پر قادیانی ساختہ امریکن کمپنی سیمی (CIME) کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ جہاں یہ امر موجودہ حکومت کی بدترین قادیانیت نوازی ہے وہاں غریب دشمنی بھی ہے کہ جو ہسپتال پچاس سال سے عام لوگوں کو طبی سہولتیں فراہم کر رہا ہے اس کو ایک خطرناک منصوبہ بندی کے تحت پرائیویٹ سیکٹر میں قادیانیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جنرل ہسپتال کے اربوں روپے کے اثاثے اور ۱۰۰ کنال زمین ہتھیانے کے لیے قادیانی ڈاکٹر مبشر احمد چودھری نے سیمی کمپنی کے صدر کے طور پر ایک غیر ملکی امریکن شخص آئرون بلوم کو فرنٹ مین کے طور پر آگے رکھا ہے جبکہ کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹر میں وہ تمام پاکستانی نژاد امریکن ڈاکٹرز ہیں جن کے تعلقات اور معاملات کسی نہ کسی طور پر قادیانی ڈاکٹر مبشر احمد چودھری اور ڈاکٹرز ہسپتال جو ہرٹاؤن لاہور سے ملتے ہیں اور ہسپتال وزمین کو لیز پر دینے کے لیے مجوزہ معاہدہ کا ڈرافٹ محکمہ قانون پنجاب کے حوالے کیا جا چکا ہے۔ بتایا گیا ہے ان تمام تر معاملات کو انتہائی خفیہ انداز میں ڈیل کرنا ہے اور اس سلسلہ میں چند روز جنرل ہسپتال کے کٹھ پتلی بورڈ آف منیجمنٹ کی تشکیل کی گئی اور من پسند (ر) جنرل کو بورڈ کی پہلی میٹنگ میں بطور چیئرمین ڈال کے معاہدے پر دستخط کروانے کی بھی کوشش کی گئی جسے بورڈ کے چند محبِّ وطن ممبران نے ابتدائی طور پر ناکام بنا دیا۔ قادیانی ساختہ امریکن کمپنی سیمی (CIME) نے حکومت پنجاب کے جس ایوارڈ لیٹر کو معاہدے کی اساس بنایا ہے اس کا نمبر PA/8-67-2005 ہے جو ۲۳ر جولائی ۲۰۰۷ء کو حکومت پنجاب محکمہ صحت نے جاری کیا۔ اس ایوارڈ سے پہلے کمپنی کی خواہش اور تجویز حکومت کے چند احباب نے کب اور کہاں کی' اس کا کسی کو علم نہیں۔ اس معاہدے میں قادیانی امریکن کمپنی کو خصوصی طور پر رعائتیں دے کر قوم اور ملک کو بھاری نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان رعائتوں لیزنگ شرائط اور سروسز کا ذکر تحریری معاہدے میں موجود ہے۔ اس تمام تر معاہدے میں ہر لحاظ سے کوشش کی گئی ہے کہ قادیانی ساختہ امریکن کمپنی سیمی (CIME) کو ہر وہ جائز اور ناجائز رعائتیں دی جائیں جن سے ملک کو اربوں روپے کا نقصان اور کمپنی کو بھرپور فوائد حاصل ہوں۔ یہ ایک نہایت حساس اور اہم مسئلہ ہے۔ حکومتِ پنجاب اس پر سنجیدگی سے غور کرے۔ مسلمانوں کے دینی ومعاشرتی حقوق اور جذبات کا احترام کرے اور جنرل ہسپتال کو قادیانیوں کو نرغے سے آزاد کرائے۔

درسِ حدیث

مولانا عبداللطیف مدنی

فرائض ایمان میں داخل ہیں

باب ماجاء فی اضافۃ الفرائض الی الایمان :

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ الْمُهَلَبِيُّ عَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيْعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ اِلَيْكَ اِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِشَيءٍ تَاخُذُه' عَنْكَ وَتَدْعُوْ اِلَيْهِ مِنْ وَّرَائِنَا فَقَالَ اٰمُرُكُمْ بِاَرْبَعٍ الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَاَنْ تُؤَدُّوْا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍعَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَه' هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَاَبُوْجَمْرَةَ الضَّبَعِيُّ اِسْمُه' نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ وَقَدْ رَوٰى شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ اَيْضًا وَزَادَفِيْهِ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ سَمِعْتُ قُتَيْبَةَ بْنَ سَعِيْدٍ يَقُوْلُ مَارَاَيْتُ مِثْلَ هٰؤُلَاءِ الْفُقَهَاءِ الْاَشْرَافِ الْاَرْبَعَةِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ وَاللَّيْثَ بْنِ سَعْدٍ وَعَبَّادِ بْنِ عَبَّادٍ الْمُهَلَّبِيِّ وَعَبْدِ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيْ قَالَ قُتَيْبَةُ وَكُنَّا نَرْضٰى اَنْ نَرْجِعَ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ عِنْدِ عَبَّاسِ بْنِ عَبَّادٍ بِحَدِيْثَيْنِ وَعَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ هُوَ مِنْ وَلَدِ الْمُهَلَّبِ بْنِ اَبِيْ صُفْرَةَ.

ترجمہ:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم بنی ربیعہ کے لوگ ہیں۔ ہم حرمت والے مہینوں کے علاوہ اور کسی مہینہ میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے (کیوں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا قبیلہ ہے) اس لیے آپ ہمیں ایک ایسی فیصل بات بتا دیجیے۔ جس کو ہم آپ سے سیکھ لیں اور اپنے پیچھے جو لوگ ہیں۔ ان کو اس کی طرف بلائیں (دعوت دیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ خدائے واحد پر ایمان لانا پھر آپ نے ان کے سامنے اس کی تفسیر بیان کی یعنی اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا۔''

تشریح:

اسلام کی آواز جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پہنچی تو مختلف مقامات کے قبیلوں کے افراد وفد کی شکل میں اسلامی تعلیمات کی حقیقت اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی صداقت کو جاننے اور سمجھنے کے لیے دربارِ رسالت میں حاضر ہونے لگے۔ یہ وفد اسلامی تعلیمات وفرائض کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرتے اور اپنے قبیلوں میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کرتے۔ یہی وفد اسلام کی آواز کو دور دراز کے علاقوں اور قبیلوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ ایسا ہی ایک وفد عبدالقیس ہے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔

وفد عبدالقیس

قبیلہ عبدالقیس بحرین میں رہتا تھا۔ اس قبیلے کا تاجر منقذ بن حبان مدینہ منورہ میں تجارت کی غرض سے آیا کرتا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ملے اور بحرین کے حالات دریافت فرمائے۔ بحرین کے شرفاء اور رؤسا کے حالات نام بنام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمائے۔ بالخصوص اس قبیلے کے سردار منذر بن عائذ (جس کا لقب منذر الاشج تھا) کا حال دریافت فرمایا اور یہ منذر منقذ کا خسر تھا۔ اس لیے منقذ بن حبان کو سخت حیرت ہوئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی بحرین تشریف نہیں لے گئے۔ پھر آپ کو بحرین کے تفصیلی حالات کیسے معلوم ہوئے؟ منقذ نہایت توجہ سے آپ کی باتیں سنتا رہا اور بہت متاثر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منقذ کو سورۃ فاتحہ اور سورۃ علق یعنی **اقراء بسم ربک الذی** کی تعلیم دی۔ منقذ جب وطن جانے لگے تو آپ نے قبیلہ کے سرداروں کے نام خطوط لکھوا کر دیئے۔ منقذ نے اپنے وطن بحرین جا کر اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا۔ موقع کے منتظر رہے۔ البتہ جب نماز کا وقت آتا تو گھر میں نماز پڑھ لیتے۔ ان کی بیوی منذر الاشج کی بیٹی تھی۔ اس کے دل میں یہ بات کھٹکی۔ اس نے منقذ کے نئے افعال واعمال کا تذکرہ اپنے باپ سے کیا کہ اس مرتبہ منقذ جب سے مدینہ منورہ سے آئے ہیں۔ رنگ ڈھنگ بدلا ہوا ہے۔ ہاتھ، منہ اور پاؤں دھوتے ہیں پھر قبیلہ رو ہو کر کبھی کھڑے ہوتے ہیں، کبھی جھکتے ہیں اور کبھی زمین پر سر رکھ دیتے ہیں۔

منذر نے یہ حال سن کر اپنے داماد منقذ سے پوچھا کہ کیا نئی بات ہے؟ انھوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا حال بھی خصوصیت سے دریافت فرمایا۔ اس پر منذر الاشج مسلمان ہو گئے۔ پھر حضرت منقذ کی تبلیغ سے ایک جماعت مسلمان ہو گئی اور ایک وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر ہیں۔ اس لیے ہم لوگ حرمت والے مہینوں (ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب) کے علاوہ حاضر خدمت نہیں ہو سکتے۔ اس لیے آپ ہمیں ایسی قطعی اور واضح بات بتلا دیجیے۔ جسے ہم سیکھ کر اپنے پیچھے

رہنے والوں کو اس کی طرف بلائیں اور اس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ جس کا ذکر حدیثِ مذکور میں گزر چکا ہے۔ یعنی شہادت ان لاالہ الااللّٰہ......الخ

سوال:

اجمال میں چار چیزوں کا حکم ہے اور تفصیل میں پانچ چیزیں مذکور ہیں۔ یعنی ایمان، نماز، زکوٰۃ، روزے اور مالِ غنیمت کا خمس؟

جواب:

(۱) قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی گفتگو کسی خاص مقصد کے لیے ہوتی ہے اور اس میں کسی دوسری چیز کا ذکر ضمناً آ جائے تو ضمنی چیز کو شمار نہیں کیا جاتا۔ صرف اصل مقصود کو شمار کیا جاتا ہے۔

عبدالقیس کا یہ وفد چونکہ مسلمان تھا تو ایمان سے بخوبی واقف تھا۔ اس لیے شہادتین کا ذکر تبرک اور ضمنی طور پر ہے۔ اس کا شمار مستقل نہیں ہوگا تو اس کے علاوہ تفصیل میں چار ہی چیزیں مذکور ہیں۔

(۲) خمس کا ذکر کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے بلکہ یہ زکوٰۃ کی ہی تفصیل ہے۔ اب ایک زکوٰۃ متعین ہے اور سال بہ سال ہمیشہ وصول کی جاتی ہے اور دوسری کبھی کبھی جب مالِ غنیمت میسر ہو جائے۔

(۳) بعض علماء فرماتے ہیں کہ روایت میں چار چیزوں میں سے صرف ایک کا ہی ذکر ہے یعنی ایمان کا اور بقیہ چیزیں ایمان کی تفسیر ہیں اور باقی تین باتیں راوی کے نسیان یا اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں فرمائیں۔

(۴) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب حکیمانہ طرز پر ہے کہ اصل چار چیزوں کا وعدہ فرمایا تھا مگر یہ لوگ اکثر جہاد کیا کرتے تھے اور کفار سے مقابلہ آرائی کے نتیجے میں مالِ غنیمت حاصل کرتے تھے۔ اس لیے ان کو اس مسئلہ کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ لہٰذا بطور خاص ان کے فائدے کے لیے مالِ غنیمت کا حکم ارشاد فرمایا۔ یہ جواب علیٰ اسلوب الحکیم کہلاتا ہے۔

علماء حق کا ترجمان
المیزان
ناشران وتاجرانِ کتب
دینی، تاریخی، سیاسی، ادبی اور اصلاحی کتابوں کا معیاری ادارہ
دینی مدارس کے طلباء کے لیے وفاق المدارس کا تمام نصاب سب سے زیادہ رعایتی قیمت پر
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7122981-7212762

وہ شر پسند کہاں ہیں؟

پروفیسر ابو طلحہ عثمان

''ہاں وہ شر پسند کہاں ہیں، وہ لوگ ہمیں کیوں نظر نہیں آ رہے جنھیں ہم شر پسند گنتے تھے۔ کیا اُن کو نشانۂ تذلیل وتضحیک بناتے ہوئے ہمیں غلطی لگی تھی یا کیا وہ شر پسند یہاں ہمارے ساتھ جہنم رسید ہونے کے لیے موجود تو ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آ رہے۔'' (سورۃ ص، ۶۲ تا ۶۴)

یہ ایک منظر نامہ ہے۔ قیامت، یومِ حساب کے مناظر میں سے ایک۔ جب اہل حقوق کو حقوق مل رہے ہوں گے اور حق ہی کی بنیاد پر لوگ دو جماعتوں میں تقسیم ہو چکے ہوں گے۔ مجرم ایک طرف، محرم دوسری طرف، سامنے جنت کے دل نواز مناظر اور دوزخ کی بھڑکتی آگ کے دل سوز پریشان کن احوال، ہر جماعت اپنی راہوں پر چلنے کو تیار مگر ہاں ''اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ o اُس دن لنگوٹیے یار بھی ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ بھائی بھائی سے بھاگے گا۔ بیٹا ماں سے اور باپ سے راہ فرار اور نفسی نفسی پکار رہا ہوگا۔ خاوند بیوی ایک دوسرے کی وفاداری بھول جائیں گے اور وہ جن پر مائیں اور باپ اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ ان کو ایک ہلکا سا کانٹا چبھنا انھیں ناگوار تھا۔ اُن کے ادنیٰ درد اور دکھ میں یہ دکھی ہو جاتے تھے اور انھیں آرام آئے بغیر انھیں چین نہ آتا تھا۔ آج ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ وہ کہہ رہا ہوگا اے اللہ سارے جہاں کو سولی چڑھا دے مگر میری جانِ حقیر کو نجات عطا فرما۔ یہ اُس دن کی بات ہے مگر وہی دن ہوگا جب اصحابِ تقویٰ ایک دوسرے کو نہ بھولیں گے۔ اللہ کی اجازت سے ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔ حافظ قرآن، علماء اور فقہائے اسلام، حجاج بیت اللہ، اہل تقویٰ، اللہ کا خوف وخشیت رکھنے والے لوگ اللہ کی طرف سے اجازت ملنے پر ایک دوسرے کی سفارش اور مدد کر سکیں گے۔ مگر یہ شفاعت قاہرہ نہ ہوگی کیوں کہ مرضی تو اللہ واحد قہار کی چلے گی۔ اسی منظر نامے میں جب فیصلے ہو چکیں گے تو لوگ اپنے احباب کو اور مخالفین کو ڈھونڈیں گے۔ ہاں تفسیر عثمانی میرے سامنے کھلی ہے جسے بنی امیہ کے ایک سپوت امامِ وقت امام العلماء شیخ الشیوخ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے لکھنا شروع کیا اور دوسرے فقیہ وقت استاذ العلماء عظیم دینی وسیاسی لیڈر یک از بانیانِ پاکستان اموی شہزادے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس تفسیر کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ شیخ الہند محمود حسن اموی دیوبندی نے علامہ عثمانی کے ذمہ لگایا تھا کہ اس تفسیر کو میرے شروع کیے گئے نہج پر آپ نے مکمل کرنا ہے اور انھوں نے کیا۔

قارئین کرام! حیران نہ ہوں کہ میں نے ان عظیم ہستیوں کی آبائی نسبت خاندان عثمانی واموی کا ذکر کیوں کیا۔ ایک بڑے صاحبِ منصب تبلیغ عالم دین جو بین الاقوامی معروف ونیک نام ہیں۔ انھوں نے بڑے شد ومد سے کئی بار کہا ہے کہ بنی امیہ نے اتنے ظلم وستم کیے کہ اللہ نے ان کا نام ونشان مٹا دیا۔ کئی دفعہ اُن صاحب جبہ ودستار بڑے عالم دین کو ذاتی

،زبانی اورتحریری طور پرعرض کیا گیا کہ حضرت بلااستثنا آپ کی خطابت کی روانی میں یہ مفہوم اور یہ انداز قابل اصلاح ہے مگر تسلیم کے باوجود آج بھی وہ اسی ڈگر پر ہیں تو آج ضمناً عرض کردیا کہ نبوی خاندان قریش کی ہاشمی شاخ کے ساتھ ساتھ اموی شاخ بھی اتنی ہی عظیم ہے جتنی کہ ہاشمی شاخ اور آج برصغیر پاک وہند،افغانستان ،ایران ،وسط ایشیا کی آزاد ریاستیں بلکہ یورپ وبرطانیہ اور تمام اقصائے عالم میں جوعظیم دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل علماء ،فضلاء ،متصوفین ،مجاہدین ،مبلغین اور نفاذِ دین کی بہر رنگ جُہد کرنے والے بلاواسطہ اور بالواسطہ تمام کے تمام مذکورہ بالا فرزندان شیخ الہند مولانا محمود حسن اموی رحمہ اللہ ہی کے شاگرد ہیں یا ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔آج ہمارا موضوع یہ نہیں ورنہ ہم بتاتے کہ بلادِ عربیہ میں نواسہ گان رسول سیدنا علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہم کی اولاد موجود ہے اور سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہم یعنی اموی سادات تو برصغیر خصوصاً کشمیر میں حکومت کر چکے ہیں۔یہ جومظفرآباد شہر ہے۔یہ بنی امیہ کے شہزادے مظفر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تو بسایا تھا۔خیر اس عنوان پر پھر کبھی عرض کریں گے۔

تفسیر عثمانی میرے سامنے ہے۔تفسیر جلالین شریف اور تفسیر فقیہہ الہند مولانا حسین علی بھی اس وقت میرے سامنے رکھی ہیں۔مذکورہ بالاعنوان ''شرپسند کہاں گئے'' سورۃ ص کی آیت نمبر۶۲ تا ۶۴ کا مضمون ہے۔علامہ شبیر احمد عثمانی اموی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔اہل شقاوت (آج کی اصطلاح میں روشن خیال،اعتدال پسند از مضمون نگار) ایک دوسرے کو لعن طعن کررہے ہوں گے اور ہر ایک دوسرے کے دوگنے عذاب کا خواہش مند ہوگا۔شاید سمجھیں گے کہ اُس کا دوگنا عذاب دیکھ کر ذرا دل ٹھنڈا ہوجائے گا مگر وہاں سامان تسلی کہاں؟ اور ایک دوسرے کو کوسنا ایک مستقل عذاب۔اب وہاں یہ جو مجرم لوگ سب جان پہچان والے لوگ ادنیٰ واعلیٰ دوزخ میں جانے کے لیے جمع کیے گئے ہوں گے مگر وہ اس بات پر حیران ہوں گے (کہ کل ہم روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے زعم میں جن لوگوں کو شرپسند،دہشت گرد،انتہا پسند،بنیاد پرست،ملّی ٹینٹ اور نہ جانے کن کن القابات سے نوازتے تھے۔ہم انھیں کبھی میدانوں میں کنٹینرز میں اور کبھی پہاڑوں اور ان کی غاروں میں لقمہ اجل بنادیتے تھے۔آخر یہ شرپسند آج کیوں نظر نہیں آرہے۔وہاں تو کبھی غاروں میں چھپ جاتے تھے۔کبھی جنگلوں میں اور کبھی مسجدوں میں اور جامعہ حفصہ جیسے ''انتہا پسندی'' کی تربیت دینے والے اداروں میں ہم انھیں تورابورا بنادیتے تھے مگر یہ شرپسند ملّی ٹینٹ آج کہاں گئے؟)۔علامہ فرماتے ہیں۔بظاہر یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس افراتفری کے عالم میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے (کہیں مغرب کا اَنا ولاغیری شاہ بش ہوگا اور کہیں مشرق کا سیدزادہ شاہ مش) ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔عذاب کے ہولناک منظر میں دوسری طرف متوجہ ہونا کیسے ممکن ہوگا۔مگر علامہ عثمانی فرماتے ہیں۔اسی کا جواب حق جل جلالہ نے اگلی آیت میں یوں دیا ہے کہ اِنَّ هٰذا لَحَقٌ تَخَاصُمُ اَهلِ النَّار o ان اہل باطل اور اُن کے ہراول دستوں فرنٹ لائن بننے والوں کا جھگڑا تو ہوکر رہے گا۔اس سے اُن کے عذاب میں کمی نہیں اضافہ ہی ہوگا اور دوسرے کو دوہرے عذاب کا مطالبہ کرنے والے دیکھیں گے کہ سب کو دہرا چوہرا بلکہ بے حساب بدترین عبرتناک عذاب ہورہا ہوگا۔جلالین شریف میں لکھا ہے کہ (جہنم کے استقبالیہ پر پہنچ کر) مشرکین مکہ بھی یہی کہیں گے کہ ''یہ (کمی کارا،گھٹیا لوگ) عمار،بلال،صہیب اور سلمان رضی اللہ عنہم ہمیں کیوں نظر نہیں آرہے۔'' یہ خباب جس کو آگ پر ہم نے بھون دیا تھا اور

یہ سُمَیَّہ جس کو اونٹوں سے ٹانگیں باندھ کر دوٹکڑے کر دیا تھا۔ یہ زِنّیرَ ہ جس کی آنکھوں میں برچھی ماردی گئی تھی۔ یہ لوگ کہاں ہیں؟ یہ سب انتہا پسند سولی چڑھ کر بھی حُبِّ رسول اُن کے دل سے نہ نکل سکی تھی۔ یہ جاہل پکی روٹی پڑھنے والے لال مسجد کے طلباء اور حفصہ وسُمَیَّہ و زِنّیرَ ہ کی یتیم ومسکین بیٹیاں کہاں غائب ہیں۔ ہمیں یہ نوجوان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا بچیاں آج نظر نہیں آرہیں؟ کیا ہمیں ہی غلطی لگی تھی؟

فقیہہ الہند مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے تفسیری نکات میں لکھا ہے اور تفسیر عثمانی میں بھی یہی ہے کہ جب یہ اہل طغیان شور کرتے ہیں کہ کہاں ہے تمہارا یومِ حساب، کہاں ہے وہ عذاب جو ہم پر آنے والا ہے اور یہ کہ ہم کو زمینی حقائق بھی تو دیکھنا ہیں۔ اگلی چند آیات میں اسی کا جواب ہے کہ ''یہ تو ہو کر رہے گا، یہ عظیم واقعہ ہوگا مگر تم لوگ اس سے منہ پھیرے ہوئے ہو۔'' آج اختیار ہے کہ اصطلاحات اور معانی اپنی مرضی سے بدل دو۔ مجاہدین کو دہشت گرد، دین پر چلنے والوں کو انتہا پسند، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر چلنے والوں کی قدامت پرست اور بنیاد پرست، امن وامان قائم کرنے کی کوشش کرنے والوں کو ملّی ٹینٹ، کعبۃ اللہ کی بیٹیوں مساجد اور مدارس کی حفاظت کرنے والوں اور کرنے والیوں کو ملکی وملی امن میں خلل ڈالنے والے قرار دے کر انھیں صفحہ ہستی سے مٹا دو۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ زندگی کا سورج غروب ہونے سے پہلے سیدنا عکرمہ، سیدنا خالد سیف اللہ، اور سیدنا وحشی رضی اللہ عنہم کے راستے پر چل کر توبہ تائب ہو جاؤ۔ بخشش اور مغفرت تو اللہ ذی الجلال کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر چہ آج کا مجرم مصر اور بابل کے مجرموں سے آگے بڑھ چکا ہو۔ مشرکین مکہ دشمنانِ رسول علیہ السلام کے سیاہ اعمال سے اُن کے تاریک اعمال کہیں بڑھ چکے ہوں مگر جب وہاں میدان حشر میں دوہرے چوہرے ان گنت عذاب ناقابل برداشت عذاب ہو رہے ہوں گے۔ اُن عذابوں میں کچھ کمی ہو جائے۔ یہ بھی نعمت غیر مترقبہ آیات بالا سے مستفاد ہے۔ ورنہ بقول کسی شاعر کے:

اٹھے گی اک چنگاری، آئے گی اُن کی باری
قدرت کا فیصلہ ہے، اللہ بہت بڑا ہے

اللہ بہت بڑا ہے۔ واقعی اللہ بہت بڑا ہے، سب سے بڑا ہے۔ باری آنے سے پہلے اور چنگاری اٹھنے سے پہلے بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ اللہ سمجھ نصیب فرمائے۔ نام نہاد روشن خیالی کی سیہ نفسی سے نجات دے۔ آمین۔

ماہانہ مجلس ذکر واصلاحی بیان
29 نومبر 2007ء
جمعرات بعد نماز مغرب
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

صِہرُ النبی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ

ابو سفیان تائب

نام ونسب:

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ رحمتِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ ان کا نام صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔ ان کی مشہور کنیت ابوسفیان ہے اور ابوحنظلہ غیر مشہور کنیت ہے۔ آپ فاتح روم وشام خلیفۂ خامس وراشد امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قبیلہ کے ساتھ چوتھی پشت یعنی عبد مناف کے ساتھ جا کر آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی رشتہ داری:

خاندانِ نبوت سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قرابت داری کا اندازہ اس رشتے سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ''رملہ'' جو کہ اُم حبیبہ کی کنیت سے معروف تھیں۔ سید الانبیاء، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں تھیں اور انھیں اُم المؤمنین ہونے کا شرفِ عظیم حاصل ہے۔ سیدہ اُم حبیبہ بنتِ ابوسفیان عنہا قدیم الاسلام تھیں اور انھوں نے اپنے سابق زوج (عبداللہ بن جحش) کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ عبداللہ بن جحش وہاں جا کر اسلام سے منحرف ہو کر نصرانی ہو گیا تھا اور وہیں حبشہ میں اس کی موت واقع ہوئی۔ اس کے بعد حبشہ کے بادشاہ اَصْحَمَہ نجاشی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ نکاح ۶ھ یا ۷ھ میں ہوا تھا۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑی باوقار اور شریف خاتون تھیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت وعقیدت رکھتی تھیں، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس میں مذکور ہے کہ ان کے والد ابوسفیان غیر مسلم ہونے کے دور میں ایک بار مدینہ منورہ آئے۔ اپنی بیٹی سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں ملاقات کے لیے داخل ہوئے اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بچھے ہوئے بستر مبارک پر بیٹھنے لگے تو سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا فوراً اٹھیں اور بستر نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لپیٹ دیا اور کہا کہ آپ اس بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔ یہ پیغمبر کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں تو ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے پاس سے آنے کے بعد تیرا مزاج بگڑ گیا ہے۔ (الاصابہ: ص ۲۹۹، ج ۴/ طبقات ابن سعد: ص ۷۰، ج ۸)

سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ زوجیت اور خدمت گزاری کی سعادت حاصل رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بہت مدت بعد ۴۴ھ میں ان کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا۔ اور باقی ازواجِ مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ خاندان نبوی کے ساتھ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دوسری رشتہ داری

کچھ اس طرح تھی کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی نواسی لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروہ بن مسعود ثقفی' نواسۂ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔جن کے بطن سے علی اکبر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور میدانِ کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔اس رشتہ داری کی شہادت شیعہ اور سنی مؤرخین نے برابر دی ہے۔(منتخب التواریخ محمد ہاشم خراسانی، باب پنجم، ص ۲۷۱، مطبوعہ جدید تہران، منتہی الآمال ص ۴۶۴، ج اوّل، طبع تہران تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۲۵، الجزالاوّل)

مندرجات بالا کی روشنی میں واضح ہو کہ حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسفیان کے داماد ہیں اور جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہیں۔نیز واضح ہو کہ ابوسفیان کی دختر زادی یعنی نواسی مسماۃ لیلیٰ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ کے نانا ہوئے اور لیلیٰ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھانجی ہوئیں۔اس طرح اس مبارک خاندان کے ساتھ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا باہمی قرابت کا تعلق دائماً قائم ہے جو اسلامی تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ سے ثبت ہے۔یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کوئی فرضی افسانہ نہیں ہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہم نشینی۔قبائلِ عرب کے قدیم مراسم کے مطابق بنی ہاشم اور بنوامیہ کے اکابر آپس میں دوستی رکھتے تھے۔قبائل کا یہ دیرینہ دستور ہے کہ ایک قبیلہ کے رؤساء دوسرے خاندان کے عظماء کے ساتھ مراسم قائم رکھتے تھے۔جیسا کہ ابی جعفر محمد بن حبیب بغدادی اپنی کتاب المحبر کے صفحہ ۱۷۴ پر لکھتے ہیں کہ دورِ جاہلیت میں جناب ابوطالب کے مراسم مسافر بن ابی عمرو بن امیہ کے ساتھ تھے۔ان دونوں حضرات کو باہم ندیم اور ہم نشین کہا جاتا تھا۔اتفاق سے مسافر کا انتقال ہوگیا۔مصعب الزبیری نے اپنی کتاب نسب قریش میں صفحہ ۱۳۶ پر لکھا ہے کہ ابوطالب نے مسافر کی وفات پر مرثیہ بھی کہا تھا جو کتاب الاغانی میں ابوالفرج اصبہانی نے نقل کیا ہے۔

اسی طرح ابوسفیان (اموی) حضرت عباس بن عبدالمطلب (ہاشمی) کے ہم نشین اور مجلسی تھے۔ان دونوں حضرات کی مصاحبت اور ہم نشینی مؤرخین نے بڑی تفصیل سے ذکر کی ہے: **وکان ابوسفیان بن حرب ندیماً للعباس بن عبدالمطلب** (کتاب المحبر ص ۱۷۵/ الاستیعاب ص ۸۶، ج ۴/ اسد الغابہ ص ۲۱۶، ج ۵)

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

ابوسفیان بن حرب اسلام لانے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے سخت مخالف تھے۔قریش مکہ کی قیادت کرتے ہوئے عداوت میں پیش پیش رہتے تھے۔ابوسفیان نے غزوۂ احد، غزوۂ احزاب میں مسلمانوں سے پوری مخاصمت کا ثبوت دیا تھا اور قدم قدم پر اہل اسلام کے لیے عناد وفساد برپا کرنا ان کا شیوہ تھا۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جو کہ ابوسفیان کے ہم نشین اور مجلسی تھے۔فتح مکہ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔جب فتح مکہ کے لیے لشکرِ اسلام مکہ سے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے متعلق کوشش کی اور ترغیب دلائی کہ وہ ضرور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔چنانچہ ان کی اس دیرینہ دوستی کا اثر ظاہر ہوا اور ان کی ترغیب سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔علامہ ذہبی نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ ''المنتقیٰ'' میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ابوسفیان فتح مکہ کے موقع پر حالات کی جستجو کے لیے جب مکہ سے باہر نکلے تو سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ لیا اور انھیں پکڑ لیا اور سواری پر اپنے پیچھے سوار کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر حاضر کر دیا۔رسولِ

رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور ترغیب پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

دارابوسفیان.....داالامن:

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی تقدیر بدلی اور بخت یاور ہوا۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے شرف وفضیلت حاصل کرنے کے طور پر عرض کیا کہ ابوسفیان شرف وفضیلت اورافتخار کو پسند کرتے ہیں۔آپ ان کوشرف وفضیلت کی چیز عنایت فرمائیں۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سفارش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پرمہربانی فرماتے ہوئے فرمایا کہ جوشخص ابوسفیان کے مکان میں داخل ہوجائے گا تو اسے امان حاصل ہے اور جواپنا دروازہ بندر کھے گا۔اسے بھی امان دی جاتی ہے جومسجد میں داخل ہوجائے گا۔وہ بھی مامون ہے:

قال العباس قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اباسفیان رجل یحب ھذا الفخر فاجعل لہ ' شیئا قال نعم ومن دخل دارابی سفیان فھو اٰمن ومن اغلق بابہ' فھواٰمن ومن دخل المسجد فھو اٰمن.

(سیرت ہشام ص۴۰۳، ج۲/طبقات ابن سعد ص۹۸، ج۲/نسب قریش ص۱۲۲، ذکر ولد حرب بن امیہ)

حافظ ابن حجرؒ نے اس موقع پر ثابت البنانی سے مزید ایک چیز یہ ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لاتے تو ابوسفیان کے مکان میں تشریف لایا کرتے۔یہ ایک مستقل فضیلت کی چیز ہے جو اعزاز کے طور پر ان کو حاصل ہوئی۔(الاصابہ۔ص۱۷۳، ج۲)

غزوات میں شرکت، مجاہدانہ کارنامے اور پرخلوص قربانیاں:

فتح مکہ کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کی تیاری فرمائی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد اس جنگ میں شریک ہوئی۔اہل حنین کے ساتھ بڑا مقابلہ ہوا۔آخر کار اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی۔اس غزوہ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اوران کے دونوں بیٹے یزید بن ابوسفیان اور معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بھی شامل وشریک تھے۔

ایک آنکھ کی قربانی:

۸ھ میں فتح مکہ کے بعد دوسرا غزوہ طائف پیش آیا۔اس غزوہ میں بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ساتھ شریکِ جہاد ہوئے۔جنگ کے دوران ایک شخص سعید بن عبید الثقفی نے نشانہ لگا کر تیر مارا جس سے سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی آنکھ اپنے مقام سے باہر آ گئی۔سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ آنکھ اٹھائے ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ چاہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیتا ہوں اور آنکھ واپس مل جائے گی اور اگر آپ چاہیں تو جنت میں ملے گی۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے جنت چاہیے۔ابن قتیبہ نے المعارف میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دو آنکھوں کی قربانی پیش کرنا درج کیا ہے۔ایک آنکھ غزوۂ طائف میں قربان کی تھی اور دوسری جنگ یرموک میں اللہ کے راستے میں قربان کر کے نابینا ہوگئے تھے۔عمر رسیدہ ہونے کی حالت میں اسلام کی خاطر یہ قربانیاں پیش کرنا اخلاصِ دین کی علامت ہے اور جذبۂ ایثار کی بین دلیل ہے۔

(الاصابہ،ص۱۷۲،ج۲/ کنز العمال،ص۳۰۷،ج۵/ المعارف،ص۱۵)

بت شکنی کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتخاب:

قبیلہ بنی ثقیف جب اسلام لایا تو ان میں ایک بت تھا جس کا نام ''الطاغیہ وہی اللات'' تھا۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ اس کو نہ گرایا جائے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو گرایا اور پاش پاش کر دیا جائے۔ اس کام کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور انھوں نے جا کر اس بت کو گرا کر پاش پاش کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام۔ص۵۴۰،ج۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مقامِ قدید میں ''منات بت'' کو گرانے کے لیے بھیجا تھا۔ انھوں نے اس کو جا کر گرا دیا۔ (الاصابہ مع الاستعیاب،ص۱۷۲،ج۲)

اہل نجران پر عامل بنایا جانا:

نجران والوں کے ساتھ مصالحت ہو جانے کے بعد وہاں مسلمانوں کی طرف سے مختلف امیر اور حاکم بنائے جاتے تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران کا عامل اور حاکم بنایا گیا۔ اس چیز کو بہت سے علماء نے تصریحاً درج کیا ہے اور طبری نے مزید وضاحت کی ہے کہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نماز کے لیے امام مقرر تھے اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ' صدقات وغیرہ پر والی اور امیر تھے۔

منصب ''القاص'' کا تعین:

القاص کے منصب کا مفہوم یہ ہے ک افواج میں خطیب اور لیکچرار کی ضرورت ہوتی ہے جو فوجوں کو موقع بہ موقع قتال پر آمادہ کرتا ہے۔ ان کی ڈھارس بندھانے، ہمت افزائی کرنے اور جذبات ابھارنے کے لیے لیکچر دیتا ہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک کے موقع پر اس کام کو بڑے سلیقے سے ادا کیا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز خطبہ:

جنگ یرموک میں سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے اہل اسلام کی جماعت تم عرب لوگ ہو، اپنے اہل وعیال سے منقطع ہو کر دار عجم میں پہنچ چکے ہو۔ اپنے امیر المومنین اور مسلمانوں کی امداد سے دور ہو چکے ہو۔ ایسے دشمن کے ساتھ تمہارا سامنا ہوا ہے جو تعداد میں تم سے کثیر ہے اور تم پر سخت غضب ناک ہو رہا ہے اور تم نے ان کو ان کے شہروں میں گھیرا دیا ہے اور ان کے بال بچوں کو پریشان کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! تمہیں اس قوم سے نجات نہیں مل سکتی اور تم قیامت میں اللہ کی رضا کو نہیں حاصل کر سکتے۔ بجز مخالفین سے صدقِ دل سے مقابلہ کرنے اور ناگوار مقامات میں استقامت دکھلانے کے ذریعے سے۔ خبردار! لازماً یہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا......تمہارے اور امیر المومنین کے درمیان اور مسلمانوں کی جماعت کے درمیان صحرا ہیں اور جنگل ہیں۔ ان میں کسی کے لیے جائے پناہ اور لوٹنے کی جگہ نہیں ہے۔ صرف صبر کرنا ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ اس پر امید رکھنی ہوگی۔ پس وہی اعتماد اور بھروسے کی چیز ہے۔ حفاظت کرو اور قوت پکڑو اپنی تلواروں کے ذریعے اور ایک دوسرے سے تعاون کرو تا کہ یہ تمہارے محفوظ ہتھیار بنے رہیں۔ پھر آپ عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انھیں وصیت فرمائی کہ جس شخص کو فوج سے پشت دے کر فرار ہوتا ہوا دیکھو تو اسے پتھروں اور

ڈنڈوں سے خوب پیٹو۔حتیٰ کہ وہ فوج کی طرف واپس آجائے پھر لوٹ کر لشکر کے سامنے آکر آواز دی کہ اے اہل اسلام! یہ سنگین حالات سامنے ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔پس یہ رسولِ خدا اور جنت تمہارے آگے ہیں۔شیطان اور آتش تمہارے پیچھے ہے۔

بعض دفعہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فوجی دستوں کے سامنے چکر لگاتے اور فرماتے تھے۔اللہ سے خوف کرو، اللہ سے خوف کرو، تم عرب کی طرف سے مداخلت کرنے والے ہو اور اسلام کے امدادی ہو اور وہ روم کی طرف سے دفاع کرنے والے ہیں اور شرک کے امدادی ہیں۔اے اللہ! تیرے ایام میں سے یہ بڑا اہم یوم ہے۔اپنے بندوں پر اپنی خاص نصرت ورحمت نازل فرما۔'' **اللھم انزل نصرک علیٰ عبادک الخ** سعید بن حسیب اپنے باپ سے ذکر کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن ایک موقع پر سب آوازیں حاموش ہوگئیں مگر ایک آواز آرہی تھی کہ ''**یا نصر اللّٰہ اقترب**''یعنی اے اللہ کی مدد قریب ہو۔میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے فرزند یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے کام کررہے تھے اور مذکورہ دعائیہ کلمات زبان پر جاری کیے ہوئے تھے۔(کتاب نسب قریش، ص۱۲۲/ البدائیہ لابن کثیر،ص۱۴، ج۷/تہذیب التہذیب لابن حجر،ص۴۱۱، ج۴)

اکابر صحابہؓ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مقام:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد بھی بڑے احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ان کے حق میں قلیل ایام تالیف قلب کے شمار کیے جاتے ہیں لیکن نسبی شرافت اور طبعی صلاحیتوں کے پیش نظر دورِ نبوت میں ان کو اہم مقام حاصل تھا۔اس کے بعد بھی اکابر صحابہؓ ان کی بڑی عزت وتوقیر کرتے تھے۔چنانچہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ،حضرت ابوسفیانؓ کا بڑا اکرام واحترام کرتے تھے۔اس لیے کہ یہ اپنے قبیلہ بنوامیہ کے سرداروں میں سے تھے اور اپنے خاندان کے رئیس تھے اور اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ جو جاہلیت میں پسندیدہ اور بہترین لوگ متصور ہوتے تھے، وہ اسلام لانے کے بعد بھی اسلام میں پسندیدہ اور بہترین ہیں:

خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا و کان عمر یحترمہ، وذالک لِاَنّہ، کان کبیر بنی امیہ۔(سیر اسلام النبلاللذہبی،ص۹۷، ج۲)

کبار علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ جب اسلام لائے تو ان کا شمار مؤلفۃ القلوب میں تھا لیکن اس کے بعد ان کا اسلام نہایت صحیح اور پختہ رہا۔انھوں نے دورِ نبوت میں اسلام کے بڑے بڑے کارنامے اور اہم امور سرانجام دیئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت کئی مقامات میں امیر اور حاکم متعین رہے۔خصوصاً یرموک میں تو ان کے اعمال وکردار نہایت قابل ستائش ہیں۔(البدائیہ لابن کثیر،ص۱۱۷، ج۸)

وفات:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی آخری عمر میں کچھ زمانہ تو مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔اس کے بعد مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کرلی تھی اور مدینہ شریف میں ہی ان کا انتقال ہوا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔مؤرخین نے ان کی وفات ۳۱ھ میں لکھی ہے۔بعض نے ۳۲ھ اور ۳۴ھ تک ذکر کیا ہے۔قول اوّل یعنی ۳۱ھ زیادہ مشہور ہے اور عام تذکرہ نویس اس کو تحریر کرتے ہیں۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔(اسد الغابہ جز ثالث،ص۱۲/ الاصابہ،ص۱۷۳، ج۲)

حدیث اور انکارِ حدیث

عبدالمنان معاویہ (الٰہ آباد)

دین اسلام چونکہ ابدی دین ہے۔اس لیے اس کا نظامِ حیات بھی ابدی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ o جب یہ بات یقینی ہے کہ اسلام ہی قیامِ قیامت تک رہنے والا دینِ واحد ہے تو اِسی کی حفاظت کا انتظام بھی تو قیامت تک کے لیے ہونا چاہیے۔جب اللہ جل مجدہ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ ''مجھے تمام ادیان سے دینِ اسلام پسند ہے۔'' تو خود ہی باری تعالیٰ نے اس دینِ حق کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ ان الفاظ میں لیا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ o اب غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حیاتِ انسانی کے تمام احکام نازل فرمائے۔ان کی مکمل تفصیل حدیثِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔آپ اسلام کے نظام زندگی کا مطالعہ فرمانے کے بعد دنیا کے تمام مذاہب کا بنظر غائر مطالعہ فرمائیں۔آپ کو ایسا جامع نظام حیات کہیں نہ ملے گا۔دنیا میں اس وقت جتنے بھی ادیان موجود ہیں' اُن کی کتب تحریف کے عمل سے گزر چکی ہیں اور نہ جانے یہ عمل پیشوایانِ قوم نے کتنی بار دہرایا ہوگا۔اس وقت دین اسلا ہی وہ واحد دین ہے جس میں ایک زبر یا زیر کی بھی کمی بیشی نہیں کی گئی۔(**فاللّٰہ الحمد**) ہر دور میں مختلف فتنے دین اسلام پر تیشہ زنی کرنے کے لیے بڑے زور وشور سے اٹھے لیکن الحمد للہ محافظانِ دین نے اُن کا بروقت تعاقب کیا۔جس کی وجہ سے وہ فتنے رفو ہو گئے۔قبل از تقسیم برصغیر میں ایک نیا فتنہ اٹھا۔آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ ایک مردے کو نیا لباس پہنا کر خوشبوئیں لگا کر منظر عام پر لے آیا گیا۔ویسے غلامانِ مغرب نے گدھا پر شیر کی کھال چڑھانے کی کوشش کی ہے۔لیکن مسٹر چودھری غلام احمد پرویز سب سے بڑھ گئے اور اُن کا حلقہ بھی کافی وسیع ہے۔جناب ایک رسالہ ''طلوع اسلام'' کے نام سے نکالتے تھے جواب بھی اسی نام سے نکلتا ہے۔موصوف نے چند کتابیں بھی لکھی ہیں۔جن میں سے مشہور ومعروف یا بدنام زمانہ درج ذیل ہیں:

(۱) معارف القرآن (۲) مفہوم القرآن (۳) مطالب القرآن (۴) مقامِ حدیث (۵) معراجِ انسانیت (۶) انسانیت نے کیا سوچا (۷) اسلام کیا ہے؟ (۸) شعلہ مستور (۹) کتاب التقدیر (۱۰) شاہکارِ رسالت وغیرہ وغیرہ۔

چودھری غلام احمد پرویز کے ماننے والے جب بھی پرویز نام سنتے ہیں' فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ چودھری صاحب سے متاثر ہو کر رکھا گیا ہے۔اب ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ نام (یعنی پرویز) چودھری صاحب سے متاثر ہو کر رکھا جاتا ہے یا خسرو پرویز ایرانی سے متاثر ہو کر' مثال کے طور پر جنرل پرویز مشرف صاحب اور چودھری پرویز الٰہی صاحب

کے متعلق فرقہ پرویزیہ کے لوگ یہی کہتے ہیں کہ اِن دونوں حضرات کے والد پرویز صاحب سے متاثر تھے۔اس لیے اپنے بیٹوں کے نام کے ساتھ پرویز کا لاحق کر دیا ہے۔واللہ اعلم۔

بہرحال جنرل پرویز مشرف صاحب کے کرتوت یہ ثابت کرتے ہیں کہ پرویزی فرقے کے لوگوں کی بات سو فیصد نہ سہی پچانوے فیصد درست ہے۔لیکن اس بحث سے کوئی سروکار نہیں۔ہم اس وقت یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر انسان نابینا ہے۔وہ دین سے بہت دور ہے اور جو شخص حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت نہ مانے اُس کا دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں۔

عزیزانِ من! ہمیں تو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حرزِ جاں بنانا چاہیے تھا۔ہمارا تو اوڑھنا بچھونا قرآن وحدیث کو ہونا چاہیے تھا لیکن افسوس کہ ہم اِن دونوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔اگر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتی تو مسلمان اسماء الرجال جیسے علم وفن کے بانی نہ بن سکتے۔اگر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتی تو آج کے نفسانفسی کے دورِ بد میں مسلمان دین سے عاری اور بے عمل ہوتے۔ہمیں تو محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ممنون ہونا چاہیے تھا نہ کہ ہم اُن پر عجمی سازش کا لیبل چسپاں کر دیں۔

برادرانِ اسلام! آیئے سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھیں کہ حدیث کسے کہتے ہیں:

حدیث کے لفظی معنی بات (Statement) اور گفتگو (Talk) کے ہیں۔علامہ جوہری صحاح میں لکھتے ہیں:

الحديث الكلام قليله و كثيره ۔حدیث بات کو کہتے ہیں جو مختصر ہو یا مفصل۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بیان کے پہلو سے ذکر کی جائیں تو حدیث کہلاتی ہیں اور اُن روایات کی تحدیث کو (Transmission) ''آگے بیان کرنا'' کہتے ہیں۔عمل کے پہلو سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو سنت کہا جاتا ہے۔سنت عربی میں طریقے (Conduct) اور راہ (Path) کو کہتے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قولی، فعلی اور تقریری) معرضِ بیان میں ہوں تو حدیث ہیں۔اور معرضِ عمل میں ہوں تو سنت کہلاتی ہیں۔حدیث میں بیان کی نسبت غالب ہے اور سنت میں عمل کی نسبت غالب ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اس طریق کی نشاندہی کرتے تھے۔جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قائم کیا تو کہتے تھے۔من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو ہمارے لیے راہِ عمل بنایا ہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نقل کرتے تو کہتے تھے:

حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہمارے لیے بیان کیا۔''

(آثار الحدیث جلد اوّل ص ۳۴، ۳۵، از مفکرِ اسلام ڈاکٹر علامہ خالد محمود زیدہ مجدہ)

حافظ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

وأما الحديث فأصله :ضدالقديم ، وقد استعمل فی قليل الخبر و كثيره لانه محدث شيئاً فشيئاً

''یعنی حدیث قدیم کی ضد ہے اور حدوث سے ماخذ ہے۔اس کا اطلاق خبرِ قلیل اور خبر کثیر دونوں پر ہوتا ہے اور خبر ایک مرتبہ صادر نہیں ہوتی بلکہ شیئاً فشیئاً یعنی تدریجاً اس کا ظہور ہوتا ہے اور خبر ہونے کی یہ شان ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں موجود ہے۔اس کو اس لیے اس کو حدیث کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بخاری کی شرح میں فرمایا ہے:

المراد بالحديث فی عرف الشرع ،مايضاف اِلی النبی صلی الله عليه وسلم و كأنه اريدبه مقابلة القرآن لأنه قديم یعنی عرف شرع میں حدیث وہ چیز ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو اور جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوا اُسے قرآن کے تقابل کی وجہ سے جو کہ قدیم ہے' حدیث کہتے ہیں۔اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حادث ہیں تو اُن کا کلام بھی حادث ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ خود قدیم ہیں' اس لیے ان کا کلام بھی قدیم ہے۔

(کشف الباری عما فی صحیح بخاری۔جلد اوّل،ص ۸،۹۔از حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم)

ان دلائل و براہین سے آپ پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ حدیث کسے کہتے ہیں۔حدیث سے کیا مراد ہے۔یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ قول رسول سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے۔فعل رسول سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔

تقریر رسول سے مراد آنحضور کے سامنے کسی صحابیؓ نے کوئی عمل کیا' اُس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور نکیر نہ فرمائی' اُسے تقریر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

اس ابتدائی بحث کے بعد ہم قرآن وحدیث سے ثابت کریں گے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دین میں حجت ہے اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا حکم باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے دیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:۱۵۱)

''جیسا کہ تم لوگوں میں ہم نے ایک رسول بھیجا جو تم ہی میں سے ہے' وہ ہماری آیات پڑھ پڑھ کر تم کو سناتا ہے اور تمہاری صفائی کرتا ہے (یعنی تزکیہ نفس) اور تم کو کتاب کی اور دانائی کی باتیں سکھاتا ہے اور تم کو ایسی باتیں تعلیم کرتا ہے' جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی۔''

ان آیات میں اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بڑی ذمہ داریوں کے متعلق بتایا ہے:

(۱)　ہماری آیات پڑھ کر تمہیں سناتے ہیں۔

(۲)　تمہارا تزکیہ نفس کرتے ہیں یعنی جہالت اور غلط رسوم ورواج اور باطنی بیماریوں سے تمہاری صفائی کرتے ہیں۔

(۳)　کتابِ الٰہی کی باتیں بتاتے ہیں۔

(۴)　دانائی کی باتیں سکھاتے ہیں۔

کتابِ الٰہی سے مراد قرآن مجید اور دانائی کی باتوں سے مراد حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑا دانا شخص کوئی آیا ہے نہ قیامت تک آئے گا۔ پس دانائی کی باتیں فرامین نبویہ ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حدیثِ نبوی دین میں حجت ہے۔

سورۃ النجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰىo (آیت نمبر ۳،۴)

''اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے تئیں نہیں بولتے بلکہ آپ وہی فرماتے ہیں جو آپ پر وحی بھیجی جاتی ہے۔''

آیت ہذا سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بھی وحی ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دین میں حجت ہیں۔ ارد شاد باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْo

''اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔''

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی جارہی ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم بھی دین میں حجت ہے۔

ڈاکٹر علامہ خالد محمود مدظلہم لکھتے ہیں:

''یہاں تین اطاعتیں فرض بتلائی گئی ہیں: (۱) اللہ کی اطاعت (۲) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (۳) اولی الامر کی اطاعت۔ مگر لفظ ''اطیعوا'' صرف دو بار لائے۔ الرسول کے لیے لفظ مستقل طور پر وارد ہوا مگر اولی الامر کی اطاعت اسی اطیعوا کے ماتحت رکھی گئی۔ جو الرسول پر داخل تھا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت میں تو شرط ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ ان کی اطاعت کے تابع ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں یہ شرط نہیں لگائی گئی۔ کیوں کہ اُن کی ہر بات اللہ کے حکم سے ہوگی۔ اُس کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا اور ہر ہر بات پر اللہ کی حفاظت کا پہرہ ہوتا ہے۔'' (''آثار الحدیث''۔ جلد اوّل، ص ۲۹۵)

قرآن کریم کی بہت سی آیات سے حجت حدیث کا ثبوت ملتا ہے اور منصف مزاج کے لیے تو یہ بھی کافی ہیں۔

منکر حدیث غلام احمد پرویز لکھتا ہے:

''احادیث، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال کے مجموعے کا نام ہے۔ اگر یہ جزو دین تھیں تو جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو لکھوایا، زبانی یاد کرایا، لوگوں سے سنا، دہرایا اور ہر طرح سے اطمینان فرمالیا کہ اس کا ایک ایک حرف محفوظ کر دیا گیا ہے۔ احادیث کے متعلق بھی یہی انتظام

فرمانا چاہیے تھا۔اس لیے کہ منصبِ رسالت کا یہی تقاضا تھا اور بحیثیتِ رسول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فریضہ کہ دین کو محفوظ ترین شکل میں امت کے پاس چھوڑتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں قرآن کریم کے متعلق اس قدر حزم واحتیاط سے کام لیا۔احادیث کے متعلق کوئی انتظام نہیں فرمایا۔برعکس اس کے خود کتبِ احادیث میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھ سے قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز نہ لکھو،جس نے قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز لکھی ہو اُسے مٹادے۔'' (مقامِ حدیث،قسم دوم،ص۴،۵)

آیئے! پرویز کی تحقیقِ انیق کی حیثیت جان لیجیے:

اولاً: جب پرویز صاحب حدیث کو ظنی اور قیاسی سمجھتے ہیں اور دین میں حجت تسلیم نہیں کرتے تو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ کیوں دے رہے ہیں۔یہ بات انھیں قرآن کریم سے ثابت کرنی چاہیے تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو..... اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے فرما دیجیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز نہ لکھیں۔لیکن پورے قرآن میں آپ کو یہ بات نہیں ملے گی۔

ثانیاً: ہم چند احادیث مبارکہ درج کرتے ہیں۔جس سے روایت بالا کی تردید ہوتی ہے۔ملاحظہ فرمایئے:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نضر الله عبداً سمع مقالتی فحفظها فوعاها و اداها فرب حامل فقه غیر فقیه الحدیث

''اللہ اُس بندہ کو تروتازہ رکھے (یعنی خوش وخرم)۔جس نے میری بات سنی اور خوب یاد کرلی اور وہ دوسروں تک پہنچادی۔سو بسا اوقات ہوسکتا ہے کہ فقہ پر مشتمل حدیث کسی شخص کو یاد ہو مگر وہ فقیہہ نہیں۔''

(معرفت علوم الحدیث،ص۲۶۰،بحوالہ شوق حدیث،ص۱۱،۱۲،از حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلم)

اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۲) حَدِثُوا عَنِّی ۔میری حدیثیں دوسروں تک پہنچاؤ۔(صحیح مسلم،ج۲،ص۴۱۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

(۳) لِیُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ . ''جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچادے۔'' (صحیح المسلم)

ایک اور حدیث مبارکہ میں بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

(۵) نَضَرَ اللّٰهُ اَمْرَاً سَمِعَ مِنَّا شَیئاً فَبَلَّغَهٗ کَمَا سَمِعَهٗ

''اللہ اس شخص کو شاداب رکھے۔جس نے ہم سے کچھ سن کر لوگوں تک اسی طرح پہنچادیا جس طرح سنا تھا۔'' (مشکوٰۃ)

(نمبر۲،۳،۴ کی احادیث کتابِ حدیث عہدِ رسالت وعہدِ صحابہ میں ص۲۴ از مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلم سے لی گئی ہیں)

کیا ہم فرقۂ پرویز سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ پرویز صاحب کو یہ احادیث مبارکہ کیوں نظر نہ آئیں۔ان احادیث کو انھوں نے نظر انداز کیوں کیا؟ اصل بات یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انکار کے لیے انھوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا۔(ویسے بھی پرویز کے نزدیک رسول کی حیثیت صرف ڈاکیا کی ہے۔جس کا کام ڈاک پہنچائی اور بس نعوذباللہ من

ذالک) حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اُن کی ذاتی تحقیق نہیں بلکہ مستشرقین کی تحقیق مع تحریف چرا کر اُن کو الفاظ کا نیا جامہ پہنا کر پیش کر دیا۔ گویا مکھی پہ مکھی ماری ہے۔ ان واضح تصریحات کے بعد بھی کوئی ضدی مزاج شخص اڑا رہے تو اڑا رہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی عاقل اور منصف مزاج شخص اب بھی راہِ حق سے دور رہے۔ صراطِ مستقیم کی طرف آنے کے لیے یہ کافی ہے۔

پرویز کو حدیث رسول پر بداعتمادی کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ حالانکہ اسلامی تاریخ کے اکثر و بیشتر مصنفین عجم کے رہنے والے ہیں پھر مسٹر پرویز نے ''مقامِ تواریخ'' کیوں نہیں لکھی۔ ہمارے ناقص ذہن میں اس کی ایک ہی وجہ نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ جب عوام حدیثِ نبویہ کو عجمی سازش کا شاخسانہ سمجھنے لگے گی تو پھر پرویز (بزعم خود فکر قرآنی کے علمبردار) قرآن کریم کی من مانی تشریح کر سکیں گے اور انھوں نے کی بھی ہے۔ نماز کا مفہوم بدلا، زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کیا اور مفہوم بدلا۔ اسی طرح دوسرے ارکان ہیں ان جیسوں کے لیے یہ کہنا مناسب ہے:

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
کہ نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

اللہ جل مجدہ تمام فتنوں سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آئین۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

4 نومبر 2007ء
اتوار بعد نماز مغرب

دفتر احرار 69/C
وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور　فون: 042-5865465

''ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا''

سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ممدوح اقبال' سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اقبال ناشناس لوگوں کا نوحہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''کتاب اللہ کی بلاغت کے صدقے جایئے' خود بولتی ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہوں۔ بابولوگو! اس کی قسمیں نہ کھایا کرو' اس کو پڑھا کرو۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرح نہ سہی اقبالؒ کی طرح ہی پڑھ لو۔ دیکھا! اس نے قران کو ڈوب کر پڑھا تو دانش افرنگ پر ہلہ بول دیا۔ پھر اس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ افسوس! تم نے اقبال کو سمجھا ہی نہیں۔ انگریز سمجھ لیتا تو اقبال تختہ دار پر ہوتے اور قوم سمجھ لیتی تو کبھی غلام نہ رہتی۔ وہ تمہارے بتکدے میں اللہ اکبر کی صدا ہے۔'' (لاہور، ۱۹۴۶ء)

اقبال کہتے ہیں:

میکدے میں ایک دن اِک رندِ زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا

اگر اقبال کو اقبال کا مردِ مومن مان لیا جائے اور اقبال کو ہی دانائے راز بھی مان لیا جائے تو والیٔ شہر کی بے حیائی کی پیش گوئی بھی ماننی پڑے گی۔ اقبال کی صداقت میں کوچہ گرد اشتراکیوں' مُزدکیوں' دین دشمنوں' مدرسوں' مکتبوں' سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں چھپے ہوئے دانش دشمنوں کو تو شک ہوسکتا ہے مگر اقبالیات میں غوطہ زن لوگوں کو اس کی صداقت کا یقین ہے۔ فخر زمان تو کہتے ہیں کہ وہ اقبال پیش کرنا چاہیے جو ہے' خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے اقبال سے ناانصافی نہیں کرنی چاہیے اور جاوید اقبال کہتے ہیں کہ حضرت علامہ نے دین کی وہی تعبیر کی ہے جو اس دور میں خود جاوید صاحب کرتے ہیں' کہنے کو تو خلیفہ عبدالحکیم بھی بہت کچھ کہہ گئے ہیں مگر حکیم جسور نے خود جو کچھ کہا ہے وہ ان ''تکہ'' بند اور جتھ بند خواص الناس بلکہ ''ستیاناس'' لوگوں کی آراء اور تعبیروں سے بہت مختلف بلکہ یکسر مختلف ہے۔ وہ تو حکمرانوں اور اُن کے حاشیہ نشینوں کو کہتے ہیں:

اس کے آبِ لالہ گوں کی خونِ دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا

جاگیرداروں' ان کے چمکیلے ''بھوتوں'' ان کی رُتوں اور ان کی مسرتوں کی حقیقت صرف یہ ہے کہ یہ جاگیردار..... خونِ دہقاں اور خونِ مزدور سے اپنا ارغوانی چہرہ سجائے اقتدار پر براجمان رہتا ہے۔ جاگیردار کی ذہنیت' اس کے رویّے اور اس کی خصلت و جبلّت یہ ہے کہ علاقے کا مولوی اس کی مرضی کا' ہیڈ ماسٹر اس کی مرضی کا' تھانہ اور تھانے دار اس کی مرضی کے' پٹواری اس کی مرضی کا اور علاقے کے بدمعاش اور دہشت گرد اس کے پالتو ہوں' جیسے کوٹھیوں کے دروازوں پر زنجیروں میں

بندھے کُتّے اوران کُتّوں کے نوکر.....انسان۔ دیکھئے! یہ انسان اللہ کے دین سے بے تعلق ہو کے جاگیردار کے کتے کا نوکر بن گیا۔ دیکھ تیرا بندہ کدھر گیا۔ یارب!

''اے انسان! تو اپنے ربِّ کریم سے کیوں روٹھ گیا ہے؟ (القرآن' سورۃ انفطار' آیت ٦)

پھران بگڑے ہوئے بندگانِ بے دام کی کیا جرأت کہ دیہہ خدا کے اشارۂ ابرو پر نہ ناچیں۔ جاگیردار اپنی جدّی' فرنگی کی بخشیش پر رہتا ہو یا ملک کو خاندانی جاگیر بنالے' اس کے پالتو دہشت گردوں کی کیا جُرأت ہے کہ وہ ''سائیں'' کی حکم عدولی کریں۔ سائیں لکشمی جی نے پھر اپنے لکشمی چوک میں بڑھک ماری اور دہشت گردوں نے اپنے سائیں کی بات مانی اور کراچی میں پھر بیساکھی منائی گئی۔

''او جٹا آئی وساکھی' آئی وساکھی' آئی''

دراصل اس تازہ حادثے سے سمجھ یہ آیا ہے:

''او لکشمی' منگ وساکھی امریکہ توں' منگ وساکھی''

جب ''بیساکھیوں'' پر ہی والیٔ شہر نے جینا ہے اور مانگے تانگے پر ہی گزارہ ہے' تو نیو یارک اور واشنگٹن سے بیساکھیاں اسی طرح آئیں گی جس طرح سقوطِ مشرقی پاکستان پر امریکی بحری بیڑہ آیا تھا۔ وہ پاپا نے مانگا تھا یہ پنکی مانگ رہی ہے۔ سائیں نے ننکھیوں سے دہشت گردوں سے کہا کہ اتنا ہی مطلوب ومقصودِ حاکم تھا اب بس کرو۔ انہوں نے بس کردی۔

میرا مشاہدہ یہ ہے کہ سرمایہ پرست' اقتدار پرست اور جاگیردار اپنے پالتو ضرور رکھتا ہے تاکہ دہشت ووحشت پھیلے اور اس کا دبدبہ بھی بڑھے۔ اس کی لیلائے اقتدار' دراز قامت ہو' علاقائی یا ملکی باسیوں میں سیاسی ''داسیاں'' پیدا ہو جائیں اور عوام میں خوف بہ حدِّ لرزہ پیدا ہو جائے تو دہشتگردی روک لی جاتی ہے۔ یہ جاگیردار کی فطرت ثانیہ ہے اور اب کہ..... ''نشأۃ ثانیہ'' ہے۔ اب تو یہ سیاسی روّیہ بہت ضروری ہے۔ اب تو یہ بھی ضروری ہے کہ کہا تو یہ جائے کہ ہم نے زبردست اقتصادی پروگرام بنایا ہے۔ پاکستان میں غربت نام کو نہیں رہے گی۔ فی کس آمدنی سنگاپور کے معیار پر آجائے گی۔ امریکی سرمایہ کار پاکستان میں ساڑھے چودہ ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کریں گے ملک میں بشاشت' بہار اور خوشیاں رقص کرنے لگیں گی۔ لوگ ضیاء الحق کی آمریت کو ہمیشہ کے لیے بھول جائیں گے۔ مگر ہو یہ رہا ہے کہ ملک میں دو کھرب اکتالیس ارب روپے کے کرنسی نوٹ چھاپ کر پھیلا دیئے گئے ہیں اور وزیر داخلہ کو مامور کر دیا گیا کہ ان کرنسی نوٹوں کے ذریعہ لوگوں کے منہ بند کردو' مخدوم شہاب الدین کو حکم دیا گیا کہ چونکہ ''پشتینی مخدوم'' ہیں لوگ بپاسِ خاطرِ عاطر آپ کی بارگاہ میں ویسے ہی جھکے رہتے ہیں' لہٰذا ''بجٹ وار'' میں عوام کو شکستِ فاش دینے کے لیے آپ اپنی مخدومی کو استعمال کریں اور جائے اور خوب استعمال کریں' تاکہ کثرتِ استعمال سے عوام کا کچومر بن جائے اور پاکستان کا ابلیس صفت فیوڈل لارڈ اس کچومر کو دوپہر کے کھانے کے ساتھ چسکہ لے لے کے کھا سکے اور ''کچومر ساز ادارے'' کی جی بھر کے داد دے سکے۔ دادِ شقاوت بھی اور دادِ ندامت بھی! کیونکہ' ایک حدیثِ پاک کا مفہوم ہے:

''اقتدار' دنیا میں امانت ہے اور آخرت میں رُسوائی وندامت!''

(۱۴/اپریل ۱۹۹۵ء)

اعتبار کی دلدل

سید محمد معاویہ بخاری

دنیا کی تمام رحمت پناہ نعمتوں کی طرح انسانی زندگی میں ''اعتماد و اعتبار'' کو بھی کلیدی اہمیت و حیثیت حاصل ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ہم نے بے صبری اور ناشکری سے جو دیگر نعمتوں کے ساتھ سلوک کیا وہی اعتبار و اعتماد کے ساتھ بھی روا رکھا لیکن اس حقیقت سے بہر حال انکار ممکن نہیں کہ آج بھی دنیا کا ہر انسان جس طرح دیگر آسائشوں اور نعمتوں کے حصول کے لیے سرگرداں نظر آتا ہے بعینہٖ یہی معاملہ اعتماد بنانے اور اعتبار حاصل کرنے کے ضمن میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اعتماد و اعتبار قائم کرنے کا یہ سلسلہ انفرادی حیثیت سے لے کر بین الاقوامی سطح تک مروج ہے۔ ایک دوسرے سے تمام نوعیت کے معاملات خواہ ذاتی مراسم استوار کرنے کے لیے ہوں یا تجارتی لین دین کے، سیاست کے ہوں یا مذہب کے باہمی سطح پر اعتماد و اعتبار کا حوالہ ضرور کارفرما رہتا ہے اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ بے اعتمادی و بے اعتباری وہ گھُن ہے جو کسی بھی معاشرہ یا قوم کو اندر سے کھوکھلا بنا کر نامرادی و ہلاکت کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا آیا ہے کہ اعتماد و اعتبار حاصل کرنے کے لیے ہر سطح پر ایسے ایسے مہلک فیصلے کر لیے جاتے ہیں مآل کار جن کا انجام ایک وبال کی صورت ظاہر ہوتا ہے۔ بالخصوص وہ فیصلے جو اقوام کے مابین ہوتے ہیں اور جن کی بنیاد سوائے خوش فہمیوں کے اور کچھ نہیں ہوتی۔

وطن عزیز پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ ہمارے سامنے ہے اور ہم بغیر کسی دقت کے یہ تجزیہ کر سکتے ہیں کہ ساٹھ برسوں میں ہم نے کس پر اعتماد و اعتبار کیا؟ کیسے فیصلے کئے اور اس کے نتائج کیا رونما ہوئے؟ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے اعتبار و اعتماد اپنی قوم پر نہیں بلکہ ان اقوام پر کیا جن کے سرشت سے ہم بخوبی آگاہ تھے اور جن کے بارے میں ہمارے دین کی واضح تعلیمات پندرہ صدیوں سے رہنمائی کرتی چلی آ رہی تھیں۔ کتاب ہدایت قرآن مجید میں بڑی صراحت کے ساتھ اہل ایمان ہونے کے مدعی گروہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا: ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔'' ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ ''نہیں راضی ہو سکتے یہود و نصاریٰ تم سے جب تک کہ تم ان جیسے نہ بن جاؤ۔'' پھر ارشاد ہوا ''یہود و نصاریٰ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹانے کے لیے بے دریغ مال خرچ کرتے ہیں۔'' مزید فرمایا: ''اے ایمان والو! اگر تم کفر والوں کی راہ چلو گے تو یہ تمہیں (صحیح) راستے سے بھٹکا دیں گے اور تم بھاری خسارے کا شکار ہو جاؤ گے۔''

ان آیات و بینات کا مقصد وحید یہی تھا کہ ہر زمانہ کے اہل ایمان اپنے کھلے دشمنوں کا تعارف حاصل کر سکیں اور

اپنی مذہبی، سیاسی، معاشی وسماجی اور اخلاقی اقدار کی بہر قیمت حفاظت پر مامور رہیں اور اپنے معاملات خالق و مالک کی ابدی ہدایات کے مطابق باہمی اعتماد واعتبار سے چلانے کی جدوجہد کریں نہ کہ ان غاصب وگمراہ لوگوں کی چمک بھری زندگی سے دھوکہ کھا کر ایمان واعتبار جیسی قیمتی متاع گنوا بیٹھیں۔ مگر صد افسوس ہم نے گزشتہ زمانوں میں عبرت کا نشان بن جانے والے نافرمانوں کی طرح پند ونصیحت کے باب میں کچھ نہیں سنا، کچھ نہیں سمجھا، کسی نصیحت کو لائق اعتبار نہیں جانا بلکہ مال وزر، اقتدار وتسلط، ذاتی منفعت اور جاہ وحشمت کی حرص میں مبتلا ہو کر اخلاق واقدار کی تمام حدود بے دریغ پھلانگتے چلے گئے۔ ہم نے ہر نصیحت کو گئے وقتوں کی بات کہہ کر مذاق میں اڑا دیا۔ اور سدراہ بننے والے خیر کے نمائندے موت کی نیند سلا دیئے۔ ۶۰ برسوں کا سفر ہم نے اسی بے اعتنائی، غفلت اور بے رحم وسفاک رویوں کے ساتھ طے کیا اور آج بھی پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

لیاقت علی خاں، سکندر مرزا، غلام محمد، محمد علی بوگرہ، ناظم الدین، ایوب خان، یحییٰ خاں، ذوالفقار علی بھٹو، ضیاء الحق، محمد خان جونیجو، غلام اسحٰق خاں، فاروق لغاری، بینظیر بھٹو، نواز شریف اور جنرل مشرف تک سب قوم کو دلاسہ دیتے رہے کہ ہمارے یک طرفہ فیصلے ملک وقوم کے مفاد میں ہیں مگر تلخ حقائق پر مبنی تاریخ کا جواب یہ ہے کہ سب کچھ صرف حکمرانوں کے مفاد کے لیے تھا جنہوں نے طول اقتدار کی خواہشوں سے ہلکان ہو کر اس دشمن دین وایمان پر اعتبار واعتماد کیا، خوئے وفا جس کی سرشت میں رکھی ہی نہیں گئی۔ ملک وقوم کو عالمی ساہوکاروں کے ہاتھ گروی رکھنے والوں کے پیش نظر وہ اعتبار تھا۔ جس کا ملبہ آج بھی ملک کہ طول وعرض میں بکھرا پڑا ہے۔ ہمیں اعتبار تھا کہ امریکہ ۶۵ء کی پاک بھارت جنگ نہیں ہونے دے گا مگر جنگ ہوگئی ہمیں اعتماد تھا کہ جنگ کے دوران امریکی بحری بیڑہ مدد کو آن پہنچے گا اور ہمارے دفاع کی ٹوٹی بیساکھیوں کو پھر جوڑ دے گا مگر وہ بحری بیڑہ کبھی نہ پہنچ سکا۔ ہمیں یقین تھا کہ باہمی اعتماد کے تحت جدید امریکی اسلحہ کی کھیپ ہمارے دفاعی حصار کو مضبوط بنا دے گی مگر عین میدان جنگ میں انکشاف ہوا کہ زنگ آلود بیمار اسلحہ کی وہ کھیپ پہنچی تھی جسے ہمارے جوان چلانے سے عاجز تھے اور وہ بندوقیں اور توپیں گولے اور گولیاں اگلنے کے بجائے خراٹے لیتی رہیں۔

۱۹۷۱ء میں ایک بار پھر ہم نے اعتماد واعتبار کا بے اصل گھروندا تعمیر کیا اور ہم یقین کر بیٹھے کہ طاقت ور امریکی حریف سویت یونین' کی گود میں بیٹھا بھارت کسی جنگی صورت حال میں امریکی دست شفقت سے محروم رہے گا ہمیں اعتبار تھا کہ ۶۵ء کی خجالت مٹانے اور پاکستان کو اپنا مضبوط حلیف ثابت کرنے کے لیے امریکی قیادت دفاعی، سیاسی، سفارتی، سطح پر بھرپور مدد فراہم کرے گی اور اپنی سپر طاقتی کا وزن ہمارے پلڑے میں رکھ دے گی، اس وقت بھی قوم کو یہی بتایا جا رہا تھا کہ جو ہو رہا ہے وہ ملک وقوم کے مفاد میں ہے حکمران اسی اعتبار کے بل بوتے پر دہائی دے رہے تھے کہ جنگ آخری گولی تک لڑی جائے گی۔ مگر بلند بام اعتبار کے ناقص گھروندے ٹوٹنے اور بکھرنے میں چند دنوں کی مشقت بھی نہیں لگی، بارود کی گھن گرج تھمی اور جہادی ترانوں کا گرد وغبار صاف ہوا تو معلوم ہوا کہ اندھے اعتبار کی تاریکی میں ہم پر انتہائی مہلک و

کاری وار ہو چکا تھا، ہمارا بازو کاٹ کر مفلوج بنا دیا گیا، مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ بھارتی فوج کی سنگینوں کی نوک کے آگے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح چلتے ۹۰ ہزار فوجی قیدیوں کو دیکھنا کتنا شرمناک اور جانکاہ سانحہ تھا اس کا اندازہ شاید حکمران کبھی نہ کر سکیں۔ مگر کروڑوں آنکھوں نے اس دکھ بھرے منظر کو دیکھنے کو موت سے بدتر جانا تھا۔ سقوط سانحہ مشرقی پاکستان کے زخموں سے چُور قوم ابھی درد کا درماں ڈھونڈ رہی تھی کہ عالمی ڈرامیٹک سوسائٹی کے کرتا دھرتاؤں نے قوم کو نئے مسیحاؤں کی آمد کو نوید سنا کر منظر نامہ بدل دیا کہ روٹی کپڑا اور مکان کا حریصانہ نعرہ انسانی نفسیات کی چولیں ہلانے لگا۔ ذوالفقار علی بھٹو اقتدار میں آ گئے مقبولیت کے زعم نے انہیں بیدار کر دیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس نے اعتبار و اعتمار کے رشتے استوار کرنے کے لیے نئے دوستوں کی طرف دیکھنا شروع کیا اور امریکی قیادت پر سو فیصد اعتماد کرنے سے گریز کی راہ اختیار کی۔ ''ہیزی کیسنجر'' کے بقول بھٹو کا یہ بہت بڑا جرم تھا۔ چنانچہ پہلی مدت اقتدار مکمل ہونے کے بعد الیکشن ہوئے تو بھٹو اعتراضات کی زد میں آ گئے۔ سازشی عناصر متحرک ہوئے اور پس چلمن اعتبار و اعتماد کی نئی قندیلیں روشن ہو گئیں۔ تحریک نظام مصطفیٰ کی صورت بھٹو ہٹاؤ مہم شروع ہو گئی۔ دینی جماعتوں کو بھی آلۂ کار بنا لیا گیا اور مذہبی قیادتیں غیر محسوس طریقے سے ایک ایسی تحریک کے لیے استعمال ہو گئیں جس کے نتائج انتہائی دور رس اور ضرر رساں ثابت ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو سیکورٹی رسک قرار دے کر منظر سے ہٹا دیئے گئے اور قرآن کی آیتیں تلاوت کرتے جنرل ضیاء الحق سریر آرائے مسند ہو گئے، دوسری طرف افغان جہاد کا بگل بج گیا۔ ہمیں ایک بار پھر اعتبار کی رسی میں باندھ کر ایک ایسی ہولناک جنگ میں دھکیل دیا گیا جس کے آغاز و انجام پر کسی کو قدرت حاصل نہ تھی، ملک بھر میں جہاد بکنے لگا، جگہ جگہ نومولود جہادی تنظیموں کے نیٹ ورک خود رو فصلوں کی طرح اگنے لگے جہاد کی منظّم تشہیری مہم پر اعتبار کرتے ہوئے عالم اسلام کے گوشہ گوشہ سے سرفروشوں کے گروہ پاکستان و افغانستان کی سرحدوں پر خیمہ زن ہونے لگے، محبِّ وطن کہتے رہے کہ ہم خودکشی کی طرف بڑھ رہے ہیں مگر جہادی نقار خانے میں ان کی آواز دفن ہو کر رہ گئی۔ دوسری طرف امریکی جہاز اسلحہ و سرمایہ لے کر جہاد کی رگوں میں توانائیاں فراہم کرنے میں لگے رہے، قوم سے کہا گیا اس معرکۂ حق و باطل کے بعد پاکستان عالمی اسلام کی سب سے بڑی قوت بن جائے گا۔ لیکن جب سویت یونین سرفروشوں کے ہاتھوں اپنے دانت تڑوا کر کراہتا ہوا افغانستان سے نکلا تو ایک بار پھر اعتبار و اعتماد کے سارے غبارے پھٹتے چلے گئے۔ قوم تذبذب میں تھی ہزاروں سوالیہ نشان کھڑے تھے کہ بساطِ سیاست کے مہرے اچانک ہی بدل دیئے گئے۔

بینظیر بھٹو پہلی جلاوطنی ختم کر کے پاکستان آ گئیں حسب وعدہ انھیں، فقید المثال استقبال سے نوازا گیا۔ اسی دوران امریکی اعتبار کی زنجیر میں جکڑے جنرل ضیاء الحق اپنے کئی ساتھیوں سمیت فضائی حادثے کا شکار ہو گئے۔ غلام اسحٰق خان نے بے نظیر بھٹو کو مسند اقتدار تک رسائی دی۔ یوں پاکستان میں پہلی خاتون نے وزارتِ عظمیٰ کا منصب سنبھال لیا۔ کوئی یقین نہیں کرتا ہمارے ملک میں قائم اور ختم ہونے والی حکومتیں اعتبار و اعتماد کی تیز دھار تلوار کی کرشمہ سازیوں سے

معنون ہیں۔ اگلا شکار نواز شریف تھے۔ انہیں بھی یقین دلایا گیا تھا کہ اب قوم کے ہیرو آپ ہیں، جبکہ بے نظیر بھٹو کو کرپشن اور بدترین بدنظمی جیسے سنگین ترین الزامات کے تحت برطرف کر دیا گیا۔ بے نظیر اور نواز شریف دو دفعہ اسی اعتبار کی زد میں آ کر مسند اقتدار پر بیٹھے بھی اور محروم بھی ہوئے۔ تا آنکہ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو جنرل پرویز مشرف کو عنان حکومت میسر آ گئی۔ بقول ان کے مجھے اقتدار میں نواز شریف لائے۔ جنرل مشرف نے اپنے پہلے خطاب میں قوم کو سات نکاتی ایجنڈے کا مژدہ سنایا تھا۔ سیاسی دھینگا مشتی سے تھکی ماندی قوم نے گزشتہ برسوں کی طرح ایک بار پھر اعتبار کر لیا۔ اسی دوراں نو گیارہ کا واقعہ رونما ہوا تو بے اعتبار امریکہ کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جنرل پرویز مشرف کا اعتماد حاصل کرنے کی ضرورت پیش آ گئی۔ برملا کہا گیا دہشت گردوں کے خاتمہ کی مہم میں ہمارا ساتھ دو۔ ہم پر اعتبار کیا جائے ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ اور مطالبہ یہ ہے کہ ماضی کے جہادی مجاہدوں کا راستہ روکنا ہے۔ پاکستان کو روشن خیال بنانا ہے، بنیاد پرستی، انتہا پرستی کی کھائیوں سے نکال کر اہل پاکستان کو اعتدال پسندی کے بلند بام پر لے جانا ہے۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ ۸ برسوں کی طولانی مدت میں بہت کچھ ایسا ہو چکا جو امریکی سرکار کے سامنے قابل اعتبار بننے کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا ابھی تک ملک کے اندر پائی جانے والی عمومی مخالفت کے باوجود جنرل مشرف کو اعتبار بحال رہنے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ ہماری قوم کی یادداشت پے در پے حادثوں نے اس طرح متاثر کر دی ہے کہ بہت قریب کے واقعات بھی یاد نہیں رہتے۔ ذرا تین ماہ پہلے کا منظر نامہ یاد کیجئے کہ امریکی حکومت کے اعلیٰ عہدیدار جان نیگروپونٹے رچرڈ باؤچر اور کنڈولیزا رائس یک بعد دیگرے پاکستان آئے تھے اور انہوں نے حکومت، اپوزیشن سمیت ہر اس گوشے میں تاک جھانک سے گریز نہیں کیا تھا جہاں انہیں کوئی مطلوبہ کردار نظر آیا۔ امریکی عہدیداروں نے صدر مشرف سمیت۔ ق۔ ن۔ ف۔ پ۔ کے لاحقوں سے معروف تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں کو مستقبل کے منظر نامے کی تفصیلات سے مکمل طور پر آگاہ کر دیا تھا۔ کون، کب، کہاں، کیسے اور کس طرح اپنے کردار نبھائے گا اس کا فیصلہ بھی انہی کی زبان سے سنا دیا گیا۔ چنانچہ بعد کے دنوں میں اس فیصلہ پر عمل درآمد کا عملی مظاہرہ ہم نواز شریف کی پاکستان آمد اور پھر جدہ واپسی، جنرل پرویز مشرف کا آئندہ پانچ برسوں کے لیے بطور صدر انتخاب، اپوزیشن کے شہرۂ آفاق استعفے، پیپلز پارٹی کا اس سے گریز، سرحد اسمبلی کی تحلیل کا متنازعہ وقت اور اس پر A P D M کا اختلاف و احتجاج، بینظیر بھٹو کی طمطراق سے وطن واپسی جیسے واقعات کی صورت دیکھ چکے ہیں۔ یہ سب کچھ اس اعتبار کا کرشمہ ہی تو ہے کہ ایوان صدر سے لے کر حکمران جماعت تک اور لبرل و سیکولر سیاسی پارٹیوں سے لے کر مذہبی جماعتوں کے اتحاد تک سب لوگ اس اعتبار و اعتماد کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور پوری قوم ہونق بنی بازی گروں کا تماشہ دیکھے جا رہی ہے۔ ایسے سکوت آسا لمحوں میں شاید چند لوگ ایسے بھی ہوں جو سوچ رہے ہوں کہ وہ کس پر اعتبار کریں؟

☆☆☆

کیا حسنِ انتظام ہے؟

سیف اللہ خالد

ورثا کی بات نہیں کہ بیٹا کھو دینے والی ماں، بھائی سے محروم ہو جانے والی بہن، باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو جانے والا بچہ اور شوہر کے تحفظ سے محروم ہو جانے والی بیوی سو برس بھی زندہ رہے تو غم پرانا نہیں ہوتا۔ تنہائی کا اک لمحہ، دکھ کا اک نشتر، خوشی کا ایک جھٹکا بچھڑنے والے پیاروں کے غم کا زخم پھر سے چھیڑ دیتا ہے اور یہ غم یوں ہڈیوں میں سرایت کر جاتا ہے کہ قبر میں ساتھ تو لے جاتا ہے مگر غلط نہیں ہوتا۔ البتہ شہر کے باسی، ملک کے شہری، ملنے ملانے والے ایک عرصے کے بعد بھول جاتے ہیں مگر جہاں سانحہ کراچی جیسا قیامت خیز ہو کہ ایک لمحے میں ۱۴۰ زندگیاں لاشوں میں بدل جائیں، خوشی کے نغمے نوحے بن جائیں۔ پورا ملک سوگ کی گرفت میں چلا جائے ایسا سانحہ تادیر یاد رہتا ہے اور رہے گا۔ کون جانے وطن عزیز کے شہری کب تک اس دھماکے کے خوف کا شکار رہیں۔ نہیں معلوم کراچی کے شہری کب اس کے اثرات سے سنبھلیں مگر حکومت نے وقت ضائع کیے بغیر جمہوریت کی نیلم پری پر قربان ہو رہنے والوں کی قبروں کی گنتی پوری ہونے سے بھی پہلے اس سانحے سے اپنا فائدہ کشید کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اعلان اس قدر عجلت میں سامنے آیا ہے کہ غیر جانبدار شہری بھی حیرت زدہ ہیں۔

حکومتی ترجمان وزیر نے دھماکے کے چند گھنٹے بعد ہی کہہ دیا تھا کہ الیکشن کمپین کو محدود ہونا چاہیے۔ ورنہ مزید حملے ہوں گے اور اس کے اگلے ہی روز اس مقصد کی خاطر حکمران پارٹی کے سربراہ آل پارٹیز کانفرنس کی تیاریوں میں جت گئے اور انھوں نے اپوزیشن قیادت سے روابط بھی شروع کر دیئے ہیں۔ بلکہ استرداد بھی سامنے آ گیا ہے۔ اس قدر سرعت، اس قدر چابک دستی.....؟ اتنی تیزی حکومت اگر کارِ منصب ادا کرنے پر صرف کرتی تو ملک جنت کا نمونہ بن جاتا مگر سیاسی مقاصد بہر حال اہم ہیں۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ سیاسی جماعتوں کو بلا کر انھیں سمجھایا جائے گا کہ جلسہ جلوس پر حملوں کا خطرہ ہے' لہٰذا اس سے گریز کیا جائے۔ شیخ رشید احمد تجویز لائے ہیں اور ان کا لب ولہجہ بتاتا ہے کہ یہ مصدقہ اور مستند تجویز جلد ہی فیصلے کی شکل ڈھالنے کو ہے کہ الیکشن کے دوران بڑی ریلیوں اور جلسوں کو خلافِ قانون قرار دے کر سیاسی جماعتوں سے کہا جائے گا کہ وہ ٹی وی چینلز پر انتخابی مہم چلائیں اور ٹی وی چینلز کو مفت خرید کر اپنا ایجنڈا پیش کریں۔ دلیل ان کے پاس یہ ہے کہ حکومت خود کش حملے نہیں روک سکتی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جلسے روک دیئے جائیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کے ۱۶ کروڑ عوام میں سے کتنے فیصد کو ٹیلی ویژن کی سہولت دستیاب ہے۔ ۷۰ فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے جس کے لیے آج بھی کیبل پر آنے والے ٹی وی چینل اجنبی ہیں۔ سندھ کے پسماندہ علاقے۔ سرحد اور بلوچستان کو جانے دیں خود پنجاب کے دیہات کیا شہروں میں بھی کم از کم ۴۰ فیصد آبادی ٹیلی ویژن سے دور ہے۔ دیہات میں تو ٹی وی رکھنے والوں کی تعداد صرف ۱۰ فیصد ہے۔ اور انھیں بھی پی ٹی وی کے سوا کچھ دستیاب

نہیں۔اوسطاً ملک کی ۸۰ فیصد آبادی ٹی وی کمپین کے دائرہ کار میں ہی نہیں۔ابھی تو حکومت بڑے شہروں کے سوا بجلی ہی پوری نہیں کر سکی۔لوگ چینل کہاں سے دیکھ لیں گے۔اگر یہ فیصلہ کر لیا جاتا ہے تو اس کا صاف اور سیدھا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ سیاست دانوں کو عوام کے پاس جانے سے روک دیا جائے۔یعنی:

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو
کہ ناحق خون پروانوں کا ہو گا

اگر آگاہی اور انتخابی مہم اتنی ہی خطرناک شے ہے اور حکومت کی کریڈیبلٹی صرف اسی صورت باقی بچتی ہے کہ لوگوں کو صرف سرکاری سچ سنا کر پولنگ اسٹیشنوں تک لایا جائے اور مرضی کے نتائج حاصل کر لیے جائیں تو ایسے انتخابات کی ضرورت کیا ہے؟ان انتخابات کو تسلیم کون کرے گا؟ان کی حیثیت کیا رہ جائے گی؟اس سے تو اچھا ہے کہ باہر سے آنے والا فیصلہ ایوانِ اقتدار سے پڑھ کر سنا دیا جائے کہ عنانِ حکومت کس کے ہاتھ میں دینے کا حکم ہوا ہے۔آخر افغانستان اور عراق میں بھی تو یہ نظام کامیابی سے چل ہی رہا ہے۔پاکستان میں بھی نافذ ہو جائے تو حرج کیا ہے۔

بس فیصلہ سنایا جائے اور مخالفین کو کرش کر دیا جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ فیصلہ حکومت اپنی ساکھ اور کریڈیبلٹی کی بربادی کو چھپانے کی خاطر نہیں کر رہی تو دوسری وجہ کیا ہے؟دہشت گردی؟تو اسے روکنا کس کا کام ہے۔شہر میں چوریاں بڑھ جائیں تو گھروں میں سامان رکھنا چھوڑ دیا جائے۔ٹریفک حادثات بڑھ جائیں تو سفر ترک کر دیا جائے۔قطعی نہیں۔پوری دنیا آج سے نہیں روز اوّل سے اس کے برعکس فیصلے کرتی ہے کہ مسئلے کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔مگر یہاں تو کمال یہ ہے کہ حکومت خود تسلیم کر رہی ہے۔اس کے ایک ذمہ دار وزیر بار بار ایک بات کہے جا رہے ہیں کہ ''دہشت گردی ہم نہیں روک سکتے۔ایک کو پکڑیں تو ۹۹ تیار ہوتے ہیں،کس کس کو پکڑیں،کیسے شناخت کریں؟یہ کھلا اعتراف ناکامی نہیں تو کیا ہے۔دہشت گردی کا سوال ہو تو جواب ملتا ہے ہم نہیں روک سکتے۔غربت کے خاتمے کی بات ہو تو ہمارے بس کی بات نہیں۔اکانومی کا بیڑہ غرق ہو۔ہم کچھ کرنے سے قاصر ہیں۔بجلی کی لوڈشیڈنگ پر جواب ملتا ہے۔ہم نہیں ختم کر سکتے تو جناب بصد ادب استفسار ہے کہ جب حکومت ہر سوال کا ایک ہی جواب دے رہی ہے کہ ہم نہیں کر سکتے تو پھر رخصت کیوں نہیں ہو جاتی۔وہ کر ہی کیا رہی ہے جس کی بنا پر اسے برداشت کیا جائے؟جواب آتا ہے۔دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ.....یہ واحد کام ہے جو پوری شدت سے ہو رہا ہے مگر عالم اس کا بھی یہ ہے کہ خود امریکی بھی مطمئن نہیں۔

جی چاہتا ہے کہ دہشت گردی روکنے کا اعتراف کرنے والے وزیر محترم سے سوال کیا جائے کہ ۱۹۴۷ء سے آج تک یہ ملک امن کا گہوارہ رہا۔یہ اچانک خودکش حملہ آوروں کی فصل کیوں اُگ آئی۔ایسے حالات کیوں پیدا ہو گئے اور لوگ اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کر رہے۔کیا یہ اسی دور کی پیداوار نہیں؟

اس وقت عالم یہ ہے کہ وزیراعظم نے جھنگ کے پل کا افتتاح کرنا ہوتا ہے تو فیتہ وزیراعظم ہاؤس میں کاٹا جاتا ہے۔راولپنڈی ریلوے اسٹیشن سے ٹرین کا افتتاح ایوانِ وزیراعظم میں کیا جاتا ہے اور اب خواہش ہے کہ انتخابی مہم ٹی وی پر چلے سو ووٹ ای میل کے ذریعے کاسٹ ہوں۔کیا حسن طلب ہے،کیا حسن انتظام ہے،ناکامی اور انہدام اور کس چیز کا نام ہے؟

پاکستان کی ترقی میں دینی مدارس کا معاشرتی کردار

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی

دینی مدارس کے قیام کا پس منظر:

انگریز تجارت کے بہانے ہندوستان میں آئے اور اپنی ریشہ دوانیوں سے تقریباً تمام ہندوستان پر قبضہ جمالیا۔ سلطان ٹیپو، نواب سراج الدولہ، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، تیتو میر اور دیگر مجاہدین برطانوی قبضہ کے خلاف جدوجہد کرتے رہے لیکن ضمیر فروشوں کی غداری کے باعث کامیاب نہ ہوسکے۔ اس سلسلہ کی آخری کوشش ۱۸۵۷ء میں مجاہدین نے کی لیکن وہ بھی داخلی کمزوریوں کے باعث ناکام رہے۔ مسلمانوں کی یہ ناکامی ہندوستان پر برطانوی مکمل اقتدار کا نقطۂ آغاز تھا۔

انگریز مسلمانوں کے جذبۂ حریت سے بے حد خائف تھا۔ سو اس نے اپنے تحفظ اور مسلمانوں کو مکمل طور پر کچلنے کے لیے کئی اقدامات کئے مثلاً

(۱) مغلیہ طرز کے عدالتی نظام کا خاتمہ
(۲) عربی فارسی کی جگہ انگریزی کی ترویج
(۳) علماء کا قتل عام، زندہ بچ جانے والوں کی جلاوطنی
(۴) ہزاروں دینی مدارس کی بندش
(۵) مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لیے فتنۂ قادیانیت کی سرپرستی
(۶) علماء سو سے حرمتِ جہاد کے فتووں کا حصول
(۷) مسلمانوں کی ہر شعبہ میں حوصلہ شکنی اور ہندوؤں کی سرپرستی

مسلم زعمائے ملت نے مسلمانوں کو مزید زوال سے بچانے اور انھیں ترقی دینے کے لیے اپنی اپنی سوچ کے مطابق کئی اقدامات کیے۔

(۱) مدارس کا قیام:

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند، مولوی محمد مظہر نے مظاہر العلوم سہارن پور، مولانا محمد علی مونگیری نے ندوۃ العلماء لکھنؤ قائم کیا۔

(۲) جدید تعلیمی اداروں کا قیام:

بہت سے انگریزی تعلیم کے ادارے قائم کیے گئے۔ مثلاً مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ دہلی، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، انجمن حمایت اسلام کے تحت بڑے شہروں میں تعلیمی اداروں کا قیام۔

(۳) مسلم سیاسی جماعتوں کا قیام:

مسلمانوں نے اپنے سیاسی حقوق کے حصول کے لیے کئی سیاسی جماعتیں قائم کیں۔ مسلم لیگ، مجلس احرار اسلام، جمعیت علماء ہند، خاکسار تحریک، خدائی خدمت گاران وغیرہ۔ ان سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے انداز میں سیاسی جدوجہد کی اور تحریک آزادی کے لیے قربانیاں دیں۔ تاہم مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ مسلم لیگ نے کیا اور وہ اس کے حصول میں کامیاب رہی۔

مدارس کی حکمت عملی:

انگریز دور میں جو دینی مدارس قائم کیے گئے۔ ان کے پیش نظر اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی علوم کا تحفظ تھا۔ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ معاشی ترقی چونکہ انگریزی تعلیم پر موقوف تھی۔ اس لیے طلباء کی تعداد انگریزی مدارس میں دینی مدارس کی نسبت ہمیشہ زیادہ رہی ہے۔

ایک حکایت:

دینی مدارس کے قیام کے اغراض ومقاصد کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک حکایت نقل کی جاتی ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جب دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے۔ نظام حیدرآباد کی طرف سے ایک تجویز آئی کہ اگر فضلائے دارالعلوم دینی علوم کے ساتھ ساتھ انگریزی بھی پڑھ لیں تو ہم انھیں ملازمتیں فراہم کیا کریں گے۔ اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ نے یہ تجویز منظوری کے لیے حضرت گنگوہی کو لکھ بھیجی۔ حضرت گنگوہی نے جو فرمایا اس کا مفہوم یہ تھا کہ بھاڑ میں جائے ریاست حیدرآباد دکن۔ ہم نے دارالعلوم، ریاست حیدرآباد کی ملازمتیں حاصل کرنے کے لیے قائم نہیں کیا۔ مسلمانوں کی نماز، روزہ اور دینی تعلیم کا نظام باقی رکھنے کے لیے قائم کیا ہے۔

اس حکایت سے جہاں دینی مدارس کے قیام کی غرض وغایت واضح ہوتی ہے۔ وہاں بانیانِ دارالعلوم دیوبند کے خلوص وللّٰہیت کی خوشبو بھی صاف محسوس ہوتی ہے۔

مساجد کی آبادی:

دینی مدارس پاکستان کے مسلمانوں کی ایک اہم دینی ضرورت مسجد کی آبادی کا سبب ہیں۔ حفاظ وقراء نے مسجدیں آباد کر رکھی ہیں۔ ملک بھر میں کوئی ایسی مسجد نہیں جو امام مسجد نہ ملنے کی وجہ سے اذان وجماعت سے محروم رہی ہو۔

تعلیم قرآن مجید:

اکثر مساجد کے ائمہ نے مسجدوں میں قرآنی مکتب قائم کر رکھے ہیں جہاں بچوں کو حفظ وناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جب کہ مدارس میں بچوں کو صحیح تلفظ اور قرأت سکھائی جاتی ہے۔ دینی مدارس کا یہ فیض ملک کی گلی گلی اور نگر نگر میں پھیل چکا ہے۔

مفت تعلیم:

موجودہ صدر پرویز مشرف ایک موقع پر یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ دینی مدارس پاکستان کی سب سے بڑی این جی اوز ہیں۔ ان کے اس اعتراف کی وجہ یہ ہے کہ دینی مدارس میں تعلیم بالکل مفت دی جاتی ہے۔ واجبی فیس بھی وصول نہیں کی جاتی بلکہ طلباء کو رہائش وخوراک بھی بلا قیمت ملتی ہے۔ بیسیوں مدارس ایسے ہیں جہاں نادار طلباء کو نیا لباس بھی فراہم کیا جاتا ہے۔

دینی علوم کا تحفظ:

دینی مدارس کے قیام کا ایک بڑا مقصد علومِ نبوت کی تعلیم وتحفظ ہے۔قرآن وحدیث مکمل تشریحات کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں۔صرف اسی پر بس نہیں بلکہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے ان کے معاون علوم یعنی صرف، نحو، منطق، بلاغت، بدیع، بیان، فلسفہ، ادب، فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر وغیرہ بھی ایک منظم پروگرام کے تحت پڑھائے جاتے ہیں۔

میں اگر یہ دعویٰ کروں کہ قرآن وحدیث کی تدریس وترویج کے مراکز ومکاتب سب سے زیادہ برصغیر پاک وہند میں ہیں اور باقی دنیا میں جہاں کہیں دینی مدارس قائم ہیں' وہ سب برصغیر کے مدارس کے بالواسطہ وبلاواسطہ خوشہ چیں ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

فضلائے مدارس کی سیاسی ومعاشرتی خدمات:

دینی مدارس کے فضلاء کی ایک بہت بڑی کھیپ نے نمایاں سیاسی ومعاشرتی خدمات سرانجام دیں۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، تحریک سید احمد شہید، تحریک ریشمی رومال، تحریک آزادی، تحریک خلافت ایسی بے شمار تحریکوں میں ہزاروں علماء نے جان ومال کی قربانیاں دیں۔قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔تحریک پاکستان میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء وتلامذہ کا کردار کسی سے مخفی نہیں ہے..... یہ اعتراف خدمت ہی تھا کہ علامہ عثمانی نے سب سے پہلے پاکستان کا پرچم لہرایا اور محمد علی جناح کے انتقال پر انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

فضلائے مدارس کی علمی خدمات:

فضلائے دینی مدارس کی ایک بڑی تعداد نے بے شمار طریقوں سے قرآن وحدیث کی علمی خدمت کی:

(۱) قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں، بعض تفسیریں اردو دان طبقہ میں بے حد مقبول ہوئیں جیسے تفسیر عثمانی، معارف القرآن وغیرہ

(۲) قرآن مجید کے ترجمے مع مختصر حواشی لکھے۔

(۳) صحاح ستہ کے اردو تراجم، مختصر ومفصل شروحات، صحاح ستہ کے منتخب ابواب کی شروحات، چہل حدیث کے مجموعے۔القصہ حدیث کی خدمت پر بے شمار پہلوؤں پر علماء نے کام کیا ہے۔

(۴) جدید فقہی مسائل پر امت کی رہنمائی کے لیے مفتی حضرات خدمات سرانجام دے رہے ہیں، بہت سے مفتیان کرام کی اسلامی معیشت، بینکاری اور غیر سودی نظام پر تحقیقات انتہائی قابل قدر ہیں اور ان کا عالمی سطح پر بھی اعتراف کیا جا چکا ہے۔

(۵) مذکورہ پہلوؤں کے علاوہ بھی تعلیم، تدریس، تبلیغ، تحریر کے ذریعے بے شمار طریقوں سے اردو اور علاقائی زبانوں میں علماء کرام کی محنت جاری ہے۔

اسلامی عقائد کا تحفظ:

دینی مدارس کا مسلمانوں کے صحیح عقائد پر برقرار رکھنے اور مسیحیت، ہندومت، انکار حدیث، انکار سنت، بدعات شرکیہ افعال، انکار ختم نبوت وغیرہ بے شمار فتنوں اور گمراہیوں سے بچانے کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ شیخ احمد دیداتؒ اور ان کے فیض یافتہ حضرات کے مناظروں سے آج بھی فضائیں مہک رہی ہیں۔اگر دینی مدارس یہ تاریخی کردار ادا نہ کرتے تو نہ جانے مسلمان کن گمراہیوں کا شکار ہو چکے ہوتے۔

دعوت وتبلیغ:

دعوت وتبلیغ کے ذریعے مسلمانوں کو نیک کام کرنے، گناہ چھوڑنے اور سیدھی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ دعوت وتبلیغ کے اس کام میں فضلائے مدارس کا نمایاں کردار ہے۔

نفاذِ اسلام کی سعی:

۱۹۷۳ء میں قومی اسمبلی نے ایک نیا آئین تشکیل دیا۔ اس وقت درج ذیل علماء کرام اسمبلی کے ممبر تھے۔ مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا عبدالحقؒ، مولانا محمد ذاکرؒ، مولانا عبدالحکیمؒ، مولانا عبدالمصطفیٰ ازہریؒ، مولانا ظفر احمد انصاریؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ۔ ان علماء کی کوششوں کے نتیجہ میں

☆ اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب تسلیم کیا گیا۔

☆ قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی ممنوع قرار دی گئی۔

☆ ملکی قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی ضمانت دی گئی۔

جہاد افغانستان میں حصہ:

۱۹۷۹ء میں روس نے افغانستان پر لشکر کشی کی تو افغان عوام کے شانہ بشانہ پاکستانی علماء نے بھی حصہ لیا اور افغان عوام کی دامے، درمے، قدمے، سخنے، مدد کر کے روسی عزائم کو ناکام بنایا۔ مخصوص وجوہ کی بنیاد پر جہاد میں کامیابی کے باوجود افغانستان میں اگرچہ امن قائم نہیں ہوسکا لیکن علماء کی جفاکشی وجاں نثاری میں کوئی شک نہیں ہے۔

تحریکِ طالبان:

تحریک طالبان جو کہ افغانستان میں اٹھی اور اس نے ملا عمر کی قیادت میں حکومت بھی قائم کی۔ تحریک طالبان کے اندازِ حکومت کے متعلق اگرچہ بعض حلقوں کو اعتراضات رہے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریک طالبان کی قیادت بھی دینی مدارس کی فیض یافتہ تھی اور اس تحریک نے وسائل کی کمی، عالمی حمایت سے محرومی اور اپنوں کی مخالفت کے باوجود ایک مثالی نظام حکومت قائم کیا تھا۔

مجلس عمل کی کامیابی:

۲۰۰۲ء کے انتخابات میں علماء کرام نے متحد ہو کر الیکشن میں حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی۔ صوبہ سرحد میں جمعیت علماء اسلام کے رہنما محمد اکرم درانی وزیر اعلیٰ بنے۔

اردو کی ترویج:

اردو پاکستان کی قومی زبان ہونے کے باوجود سرکاری طور پر پنپ نہیں سکی۔ ہر حکمران طبقہ کے لیے انگریزی ہی سب کچھ ہے۔ سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم جب پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے۔ ہر سال صوبائی بجٹ اردو میں پیش کرنے پر زور دیتے تھے لیکن حکمران وعدہ کرنے کی باوجود پورے نہ کر سکے۔ ان حالات میں اردو زبان کی ترویج واشاعت میں دینی مدارس کی نمایاں خدمات ہیں۔ دینی مدارس میں ذریعہ تعلیم اردو زبان ہے۔ لاکھوں طلباء اردو لکھنے، بولنے، پڑھنے، سمجھنے کی

صلاحیت حاصل کر چکے ہیں۔

شرح خواندگی میں اضافہ:

ہر حکومت کا دعویٰ رہا ہے کہ ہم نے شرح خواندگی میں اضافہ کیا ہے۔لیکن یہ بلند بانگ دعوے حقائق کے منافی ہوتے ہیں۔ جتنے فی صد شرح خواندگی میں اضافہ بتایا جاتا ہے۔اس حساب سے تو پاکستان میں شرح خواندگی سو فیصد ہونی چاہیے جو کہ بہر حال نہیں ہے۔ دینی مدارس کا شرح خواندگی بڑھانے اور حکومتی حلقوں کی معاونت کرنے میں بہت نمایاں کردار ہے۔ یہ مدرسے جہالت کے اندھیروں کو دور کرنے اور قوم کے نونہالوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے میں تندہی سے مصروفِ عمل ہیں۔

رفاعی کام:

غریبوں ،مسکینوں ،یتیموں کی مدد کرنا اسوۂ حسنہ ہے۔ دینی مدارس حسب ہمت اس اسوۂ نبویہ کی پیروی کر رہے ہیں۔ مدارس کے طلباء کی ایک بڑی تعداد غریب خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔جس کی جملہ ضروریات کی ارباب مدارس کفایت کرتے ہیں۔ان کے علاوہ بعض بڑے مدارس نے اپنے ہاں شفاخانے قائم کر رکھے ہیں۔جن میں مستند اور ماہر فن ڈاکٹر حضرات سے طلباء کے علاوہ علاقہ کے عوام بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور مفت دوائی حاصل کرتے ہیں۔بعض مدارس میں آگ سے جلے ہوئے لوگوں کے لیے برن یونٹ قائم ہیں۔الرشید ٹرسٹ ،الاختر ٹرسٹ وغیرہ کی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ان اداروں کی انتظامیہ دینی مدارس سے ہی تعلق رکھتی ہے۔

جدید علوم کی تعلیم:

ایک عالم دین کے لیے جدید علوم سے واقفیت بہت ضروری ہے۔اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مدارس میں میٹرک تک لازمی تعلیم کا اہتمام ہے۔میٹرک کے طلباء اپنے علاقائی تعلیمی بورڈ کے تحت امتحان دیتے ہیں اور کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ بہت سے مدارس میں کمپیوٹر کی تعلیم بھی جزو نصاب ہے۔علاوہ ازیں اردو،عربی،انگریزی میں تقریر کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔کئی ایک مدارس اپنے طلباء کو بی اے،ایم اے تک کی تعلیم دلواتے ہیں۔جامعۃ الرشید کراچی نے ایک انقلابی قدم اٹھایا ہے وہ یہ کہ بی بی اے،ایم بی اے وغیرہ اسناد کے حامل حضرات کو چار سال میں درسِ نظامی کا کورس پڑھاتے ہیں تا کہ وہ دینی تعلیم حاصل کر کے ملک وقوم کی بہتر رہنمائی کر سکیں:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

دینی مدارس کی معاشرتی خدمات دانشوروں کی نظر میں

(۱)علامہ اقبال:

ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو۔غریب مسلمانوں کے بچوں کو انھیں مدارس میں پڑھنے دو۔اگر یہ مُلا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوں انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ ہندوستان میں بھی

آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

(۲) قدرت اللہ شہاب:

لُو سے جھلسی ہوئی گرم دوپہروں میں خس کی ٹٹیاں لگا کر پنکھوں کے نیچے بیٹھنے والے یہ بھول گئے کہ محلے کی مسجد میں ظہر کی اذان ہر روز عین وقت پر اپنے آپ کس طرح ہوتی رہتی ہے؟ کڑکڑاتے جاڑوں میں نرم وگرم لحافوں میں لپٹے ہوئے اجسام کو اس بات پر کبھی حیرت نہ ہوئی کہ اتنی صبح منہ اندھیرے اٹھ کر فجر کی اذان اس قدر پابندی سے کون دے جاتا ہے؟ دن ہو یا رات، آندھی ہو یا طوفان، امن ہو یا فساد، دور ہو یا نزدیک، ہر زمانے میں شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی کچی پکی مسجدیں اسی ایک مُلا کے دم سے آباد تھیں۔ جو خیرات کے ٹکڑوں پر مدرسوں میں پڑھتا تھا اور در بدر کی ٹھوکریں کھا کر گھر بار سے دور کہیں اللہ کے کسی گھر میں سر چھپا کر بیٹھ رہا تھا۔ اس کی پشت پر نہ کوئی تنظیم تھی نہ کوئی فنڈ تھا، نہ کوئی تحریک تھی۔ اپنوں کی بے اعتنائی، بیگانوں کی مخاصمت، ماحول کی بے حسی اور معاشرے کی کج ادائی کے باوجود اس نے نہ اپنی وضع قطع کو بدلا اور اپنے لباس کی مخصوص وردی کو چھوڑا۔ اپنی استعداد اور دوسروں کی توفیق کے مطابق اس نے کہیں دین کا شعلہ، کہیں دین کی شمع، کہیں دین کی چنگاری روشن رکھی۔ یہ مُلا ہی کا فیض تھا کہ کہیں کام کے مسلمان، کہیں نام کے مسلمان، کہیں محض نصف نام کے مسلمان ثابت وسالم برقرار رہے۔ برصغیر کے مسلمان، مُلا کے اس احسان عظیم سے کسی طرح سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ جس نے کسی نہ کسی طرح ان کے تشخص کی بنیاد کو ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا۔

(۳) عبدالقادر حسن:

برصغیر پاک وہند میں جب مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی اور ایک کافر قوم کی حکومت قائم ہوئی تو مسلمانوں کے دین کو بچانے کے لیے مولوی نے جہاد بھی کیا اور مدرسوں پر بھی توجہ دی۔ یہی وہ مولوی اور ان کے دینی مدرسے تھے۔ جس کی وجہ سے آج ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور اسلام کو ایک دین اور زندگی کا نظام سمجھتے ہیں۔ اگر یہ مدرسے نہ ہوتے، اگر مولوی نہ ہوتے تو ہم اور تو کچھ ہوتے یا نہ ہوتے مسلمان نہ ہوتے اور ایک طرف ہندو دوسری طرف انگریز ہمیں ختم کر چکے ہوتے اور ہم نہ جانے کیا ہوتے۔ ہمارا کوئی الگ تشخص نہ ہوتا۔ یہ مدرسے ایک خاص علم کی تعلیم کے لیے ہیں جیسے کوئی میڈیکل کالج ہوتا ہے یا انجینئرنگ کالج ان میں قرآنی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس سے ہرگز منع نہیں کیا جاتا کہ کوئی طالب علم کچھ اور نہ پڑھے۔ لاتعداد بڑے مدرسوں میں آپ کمپیوٹر دیکھتے ہیں لیکن ان کا اصل موضوع قرآن وسنت کے علوم ہیں۔ کیا آپ کسی فنی تعلیم کے کالج اور یونی ورسٹی میں قرآنی علوم کی تعلیم رائج کرتے ہیں؟ تو پھر ان مدرسوں کے مزاج کو بدلنے کی کیا مجبوری ہے؟

دینی مدارس پر اعتراضات کا جائزہ

اعتراض نمبر ۱:

دینی مدارس میں جدید علوم میڈیکل، انجینئرنگ وغیرہ کی تعلیم کیوں نہیں دی جاتی؟

جواب:

آج کے دور میں علوم کی سرحدیں بہت پھیل چکی ہیں۔ عملی طور پر یہ ناممکن ہے کہ تمام علوم پر دسترس حاصل کی جا سکے۔ پھر یہ بات ہے کہ کسی ایک فن کی بھی حدود بہت وسیع ہیں۔ ایک فن کے تمام شعبوں میں بھی یکساں مہارت بہت مشکل

کام ہے ۔مثال کے طور پر میڈیکل کو لے لیں ۔جسم کے ہر ہر عضو پر الگ الگ سپیلائزیشن کرائی جاتی ہے ۔طبیہ کالج میں انجینئرنگ اور انجینئرنگ کالج میں میڈیکل کی تعلیم دینے کا مطالبہ کوئی نہیں کرتا۔جو ادارہ جس فن کی تعلیم کے لیے قائم کیا گیا ہے'اس میں اسی فن کی ہی تعلیم دی جاتی ہے'دوسروں فنون کی نہیں۔اس لیے دینی مدارس سے یہ مطالبہ کہ مثلاً وہاں میڈیکل کی تعلیم دی جائے۔بنیادی طور پر غلط ہے۔اس طرح وہ مدرسہ مدرسہ نہ رہے گا'میڈیکل کالج بن جائے گا۔

بایں ہمہ ارباب مدارس اور دینی مدرسوں کے وفاق انگریزی تعلیم کے خلاف نہیں ہے ۔میٹرک تک کا سرکاری نصاب مدارس میں بعض ترجیحات کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے اور طلباء انگریزی کے ساتھ میٹرک کا سرکاری امتحان دیتے ہیں اور اچھے نتائج حاصل کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر۲:

مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جواب:

دینی مدارس پہ مذکورہ الزام اسی طرح غلط ہے جس طرح مرزا قادیانی کی نبوت غلط ہے۔سامراجی طاقتوں کا اسلامی ممالک پر شر پسندی کا الزام غلط ہے۔موسم بہار کو خزاں،روشنی کو اندھیرا اور دن کو رات کہنا غلط ہے۔

مذکورہ اعتراض جو آج بعض سرکاری وسیکولر حلقے دینی مدارس پر عائد کرتے ہیں۔یہ اعتراض بھی وہ اپنے سرپرستوں کی زبانی سن کر کسی تحقیق کے بغیر عائد کر رہے ہیں۔کسی برطانوی سیاست دان نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔'' آج کے دور کے مسلمان کہلانے والے نام نہاد دانشور انداز بدل بدل کر اس اعتراض کو دہراتے چلے آرہے ہیں۔اس سلسلے میں چند نکات قابل غور ہیں:

(۱)　دہشت گردی کی مسلمہ تعریف کیا ہے؟

(۲)　ان مدارس کے نام لیے جائیں جن میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے؟

(۳)　معترضین کے بقول جو دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔اس کے نتائج کیا ہیں؟ سرکاری وغیر سرکاری معترضین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا سرکاری تعلیمی اداروں میں ہنگامے،غنڈہ گردی اور قتل وغارت گری کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔کیا اساتذہ طلباء کے ہاتھوں قتل نہیں ہوتے؟ کیا یونیورسٹیوں کے ہاسٹل اسلحہ سے پاک ہیں؟ کیا مخلوط تعلیم کے نتیجہ میں طالبات زنا بالجبر سے محفوظ ہیں؟ کیا حکومت عریانی وفحاشی کی سرپرستی نہیں کر رہی؟ قومی املاک کو کون نذر آتش کرتے ہیں،سرکاری تعلیمی اداروں کے طلباء یا دینی مدارس کے طلباء؟

مذکورہ تمام سوالات کے جوابات نفی میں ہونے کے باوجود سرکاری نظام تعلیم کی خرابیاں سب پر واضح ہونے کے باوجود ادھر سے آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں۔اس لیے کہ ان شر پسند عناصر کے سرپرست اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور حکومتوں میں حصہ دار ہوتے ہیں۔معترضین کو بخوبی علم ہے کہ:

(۱)　دینی مدارس کے طلباء دن رات قرآن وعلوم نبویہ کی تعلیم میں مصروف رہتے ہیں۔

(۲)　ان کی زندگیاں مساجد ومدارس تک محدود ہیں۔

(۳)　وہ سیاسی تحریکات سے الگ رہتے ہیں۔

(۴)　اسلحہ چلانا تو کجا طلباء کی اکثریت کو صحیح طرح سے اسلحہ پکڑنا بھی نہیں آتا۔

(۵)　پاکستانی معاشرہ میں ہونے والی چوری، ڈکیتی، قتل وغارت گری، لوٹ مار میں ارباب مدارس کا ذرہ برابر بھی کردار نہیں ہے۔

(۶)　مدارس کے طلباء نے دہشت گردی تو کیا پھیلانی ہے یہ غریب تو جغرافیہ سے بھی لاعلم ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہوں گے جنھیں یہ معلوم نہ ہوگا کہ جیکب آباد سندھ میں ہے یا سرحد میں۔ لیکن ان سب امور کے باوجود مدارس پر دہشت گردی کا الزام ''میں نہ مانوں'' کی ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ اسلام آباد میں منعقد ہونے والے ایک علماء کنونشن میں محترم چودھری شجاعت حسین نے دوٹوک الفاظ میں بتایا کہ جب میں وزیر داخلہ تھا۔ ایجنسیوں کے ذریعے میں نے ملک بھر کے دینی مدارس کے متعلق تحقیقات کرائیں تو مجھے سب ایجنسیوں نے یہ رپورٹ دی کہ ملک بھر میں ایک مدرسہ بھی دہشت گردی میں ملوث نہیں ہے۔ لیکن المیہ تو یہ ہے کہ بعض سرکاری حلقے، اپنی سرکاری عہدیداروں کی بات ماننے کو بھی تیار نہیں ہیں۔

لال مسجد کے واقعہ کی وجہ سے تمام مدارس کو موردالزام ٹھہرانا درست نہ ہوگا۔ اس لیے کہ:

(۱)　لال مسجد والوں کے لیے جو حالات پیدا کیے گئے تھے۔ انھوں نے اس کا ردّعمل ظاہر کیا۔ وہ ان کا لائحہ عمل نہ تھا۔ ردّ عمل اور لائحہ عمل میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ردّعمل ہمیشہ غیر آزادانہ اور جذباتی ہوتا ہے۔ حالات کی پیداوار ہوتا ہے۔ سوچا سمجھا منصوبہ نہیں ہوتا۔

(۲)　وہاں جو اسلحہ ٹی وی پر دکھایا گیا وہ ہزاروں قیمتی جانوں کے ضیاع کے بعد رکھا گیا۔ اگر اتنا خطرناک اسلحہ وہاں موجود تھا تو انھوں نے استعمال کیوں نہ کیا۔

بہرحال لال مسجد کے المناک واقعہ کے نتیجہ میں تمام مدارس کو ٹارگٹ بنانا غلط ہوگا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا موقف جو کہ ملک بھر کے اخبارات ورسائل میں شائع ہو چکا ہے، ہماری تائید کرتا ہے۔

اعتراض نمبر۳:

دینی مدارس قومی دھارے میں شامل نہیں ہیں۔

جواب:

یہ اعتراض بھی دینی مدارس کے قیام کے اسباب پر نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ دینی مدارس کے قیام کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱)　قرآن وسنت کی تعلیمات کا فروغ

(۲)　ائمہ مساجد کی فراہمی

(۳)　دینی رہنماء کے لیے علماء کی تیاری

(۴)　دینی علوم کی تدریس کے لیے اساتذہ کی فراہمی

جب تک حکومتی حلقے مذکورہ چاروں کاموں کی ذمہ داری قبول اور اس کے لیے قابل عمل طریق کار تجویز پیش نہیں کرتے۔ دینی مدارس اپنے مشن کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ اگر بالفرض حکومتی حلقے مذکورہ ذمہ داری قبول کر بھی لیتے ہیں تو اس کا حشر

جامعہ عثمانیہ اوکاڑہ، جامعہ عباسیہ بہاول پور سے مختلف نہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ حکومت تعلیم، ریلوے وغیرہ مختلف ادارے اور محکمے تو نجی شعبہ کو دے رہی ہے، انھیں سنبھالنے سے قاصر ہے اور مساجد و مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کے لیے اسے قومی دھارے میں لانے کے لیے بے تاب و مضطرب ہے۔ جب تک مدارس کا نصاب مالیاتی نظام اور خود مختاری سرکاری اثرات سے محفوظ رہے گی۔ مدارس کے قیام کے اغراض و مقاصد پورے ہوتے رہیں گے اور جب مدارس جزوی یا کلی طور پر حکومتی تحویل میں چلے جائیں گے تو ان کا وہی حشر ہوگا جو دیگر سرکاری اداروں کا ہو رہا ہے۔ اس لیے اربابِ مدارس اپنے نظام و نصاب کو سرکاری پالیسیوں سے آزاد رکھنے پر مصر ہیں۔

اعتراض نمبر۴:

یہ مدارس بنیاد پرستی کو فروغ دے رہے ہیں۔

جواب:

دینی مدارس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ انسانیت کی رہنمائی کے لیے انفرادی و اجتماعی عقل و رائے کافی نہیں ہے بلکہ انسانی عقل کو آسمانی تعلیمات کے تابع کرنا ضروری ہے۔ اگر انسانی عقل آسمانی وحی کے تابع نہ ہوگی تو شراب کی حرمت، ہم جنس پرستی، بہن بیٹی سے نکاح کا عدم جواز سمجھ نہ آسکے گا۔ محض عقل کی بنیاد پر ان امور کی قباحت ثابت نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے اگر معترضین کی مراد یہ ہے کہ دینی مدارس محض عقل کی بنیاد پر بنائی ہوئی معاشرتی اقدار اور سیکولر تہذیب و ثقافت کے فروغ میں دینی مدارس رکاوٹ ہیں تو دینی مدارس کو اپنے اس کردار پر فخر ہے اور فخر رہے گا۔

اعتراض نمبر۵:

دینی مدارس میں مخالف فرقوں کے افراد قتل کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جواب:

یہ اعتراض بھی سفید جھوٹ ہے۔ کسی مدرسہ میں کوئی ایسی کتاب شامل نصاب نہیں ہے جو مخالف عقائد رکھنے والے افراد کو قتل کرنے کی تعلیم دیتی ہو۔ مجلس عمل کے نام سے جو دینی سیاسی جماعتوں کا اتحاد اس وقت قائم ہے اس میں مختلف مذہبی اعتقادات رکھنے والی جماعتیں شامل ہیں۔ اگر مذکورہ اعتراض میں کوئی صداقت ہوتی تو یہ اتحاد قائم ہوتا اور نہ ہی چل سکتا۔ مجلس عمل کا قیام مذکورہ اعتراض کے لیے بے بنیاد ہونے کا عملی ثبوت۔

اعتراض نمبر۶:

دینی مدارس میں جہاد کی تربیت دی جاتی ہے اور طلباء تربیت حاصل کرتے ہیں۔

جواب:

یہ جواب ہم اپنی طرف سے دینے کی بجائے معروف سکالر، دانشور مولانا زاہد الراشدی کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''اس سلسلہ میں عرض ہے کہ دو مسئلے قطعی طور پر الگ الگ ہیں۔ ایک مسئلہ جہاد کے بارے میں شرعی احکام اور قرآن و سنت کے فرمودات کی تعلیم کا ہے وہ یقیناً ان مدارس میں ہوتی ہے اور اسی طرح ہوتی ہے جس

طرح قرآن وسنت کے احکام وقوانین کے باقی شعبوں کی ہوتی ہے۔ یہ دینی تعلیمات کا حصہ ہے اور کسی دینی ادارے کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ قرآنی، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہی ابواب کو صرف اس لیے نصاب سے خارج کردے کہ دنیا کے کچھ حلقے اس سے ناراض ہوتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ جہاد کی عملی تربیت اور عسکری ٹریننگ کا ہے۔ یہ ان مدارس میں کسی سطح پر نہیں ہوتی اور نہ ہی ان مدارس میں ایسا کوئی نظام موجود ہے جو طلبہ کو اس طرح کی ٹریننگ دیتا ہو۔ اس لیے یہ کہنا قطعی طور پر غلط ہے کہ دینی مدارس اپنے طلبہ کو عسکری ٹریننگ دیتے ہیں، البتہ دینی مدارس کے طلبہ یہاں سے فارغ ہوکر یا چھٹیوں کے دوران اپنی آزادانہ مرضی سے کسی دباؤ کے بغیر جہاد تحریکات کے مراکز میں جاتے ہیں، ٹریننگ حاصل کرتے ہیں اور کسی نہ کسی محاذ پر جہاد میں شریک بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا مدارس کے نظام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ٹریننگ کے یہ مراکز مدارس کے سسٹم میں شامل ہیں۔ ان کا نظم اور ذمہ داری بالکل مختلف دائرہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے لیے دینی مدارس کو ذمہ دار ٹھہرانا قطعی طور پر غلط ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے سرکاری کالجوں، سکولوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ ہزاروں نوجوان مختلف عسکری تنظیموں میں شامل ہوجاتے ہیں جن میں جہادی تحریکات بھی ہیں، لسانی گروپ بھی ہیں، علاقائی تنظیمیں بھی ہیں اور طبقاتی گروہ بھی ہیں۔ حتیٰ کہ ڈکیتی اور رہزنی کے گینگ بھی ان میں شامل ہیں، یہ نوجوان بھی مختلف ٹریننگ سنٹروں میں عسکری تربیت حاصل کرتے ہیں اور اس کی بنیاد پر کارروائیاں کرتے ہیں لیکن ان میں سے کسی گروہ کی کارروائیوں کا ذمہ داران کے تعلیمی اداروں کو قرار نہیں دیا جاسکتا اور انہیں ان کے ذاتی فعل اور فیصلے پر محمول کیا جاتا ہے بالکل ایسے ہی دینی مدارس کے طلبہ بھی اگر تعلیمی نظام اور ڈسپلن سے ہٹ کر جہادی تحریکات میں شامل ہوتے ہیں اور عسکری تربیت حاصل کرکے کسی کارروائی میں حصہ لیتے ہیں تو ان کے لیے دینی مدارس کو ذمہ دار قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے۔'' (دینی مدارس کا نصاب ونظام ص ۲۹، ۳۰)

نتائج وبحث:

(۱)　گزشتہ دس پندرہ سال سے دینی مدارس ایک بحران کی زد میں ہیں اور وہ بحران ہے ''عالمی دباؤ'' عالمی طاقتیں اصلاح کے نام پر مدارس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتی ہیں جو مولانا رومؒ کی حکایت کے مطابق ایک بڑھیا نے شاہی باز کے ساتھ کیا تھا کہ اس نے سوچا باز کو لمبی چونچ بڑے ناخنوں اور لمبے پروں سے تکلیف ہوتی ہوگی۔ اس نے یہ سب ہمدردی جذبہ کے تحت کاٹ دی تھیں۔ سو عالمی طاقتیں بھی اپنے نمائندوں کے ذریعہ مدارس کے ساتھ ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنے کے درپے ہیں۔ مغرب کی ہمدردی **کلمة الحق اريد بها الباطل** کے قبیل سے ہے۔ اس کے لیے ارباب مدارس کو بڑے تحمل، تدبر سے چلنے کی ضرورت ہے۔ غیر جذباتی طرز عمل اختیار کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(۲)　دینی مدارس کے معاشرتی کردار کے اپنے، پرائے سب معترف ہیں۔ ان کا یہ معاشرتی کردار باقی رکھنے کے لیے انہیں پالیسیوں میں آزاد رکھنا ضروری ہے۔ حکومت اس ضمن میں کسی حد تک عالمی دباؤ کے سامنے مزاحمت کرتی ہے۔ یہ اس کی دینی حمیت اور خارجہ پالیسی کا امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دیں، فتنوں سے بچائیں، علماء کرام اور دینی مدارس کی حفاظت فرمائیں۔ آمین ثم آمین

پروفیسر محمد اکرام تائبؔ

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

عمر بھر نعتِ حبیبِ کبریا لکھتا رہوں
آپ کو صدر العُلیٰ ، کہف الوَریٰ لکھتا رہوں

وہ نبی جس پر نبوت ختم ہو کر رہ گئی
اُس نبی کو میں امام الانبیاء لکھتا رہوں

انگلیوں سے جس کی چشمے پھوٹ کر بہنے لگے
اُس کی ہر اک بات پر میں مرحبا لکھتا رہوں

وہ کہ جس پر خود خدائے پاک پڑھتا ہے درود
اُس نبی کی نعت مَیں صبح و مَسا لکھتا رہوں

جوڑ دے جو لب لگا کر ہر بُریدہ عضو کو
اُن کی خاکِ پاک ' علاجِ لا دوا لکھتا رہوں

قاتلوں کو بھی لگایا آپ نے ہنس کر گلے
آپ کو ہر سر پہ رحمت کی گھٹا لکھتا رہوں

آپ ہر اک دل کی ہیں آواز مَیں اُس حسن کو
پھول ، شبنم ، چاندنی ، بادِ صبا لکھتا رہوں

جان دے دوں گر یہ تائبؔ شان مل جائے مجھے
خود کو میں اُن کے گداؤں کا گدا لکھتا رہوں

احسان دانشؒ

مزدور کی بیوہ

سر جھکائے فکر میں بیٹھی ہے اک عورت نڈھال
جس کے شوہر کا ہوا ہے شام ہی کو انتقال

بھونک پڑتا ہے کوئی کتا جو گھر سے متصل
اس پریشاں حال بیوہ کا دہل جاتا ہے دل

لے رہا ہے سسکیاں اک ٹمٹماتا سا چراغ
جس سے جگمگ کر رہے ہیں سینۂ سوزاں کے داغ

پاس تھا زیور جو پیتل کے چھڑے چاندی کا ہار
کر چکی ہے سب کا سب تکفینِ شوہر پر نثار

سوچتی ہے کس سے مانگوں گی، ہے کس کا آسرا
بیوگی کی رسم آخر کس طرح ہو گی ادا ؟

ایک بچی عمر جس کی ہے بمشکل پانچ سال
اپنی دکھیا ماں سے رو رو کر یہ کرتی ہے سوال

تم نے ابا کو کہاں بھیجا ہے آئے کیوں نہیں
چیز* لانے کے لیے کہتے تھے لائے کیوں نہیں

اچھی امی آؤ میں آواز دوں دہلیز سے
''آؤ ابا آؤ'' باز آئی میں ایسی چیز سے

رات ہے ایسی بھیانک کچھ نظر آتا نہیں
دل دہلتا ہے یہاں تنہا رہا جاتا نہیں

سنتی ہے بیوہ جو بچی کا بیانِ دل فگار
مضمحل آنکھوں سے چل پڑتی ہے اشکوں کی قطار

پھیر کر منھ ، پونچھ کر آنسو، طبیعت روک کر
کہتی ہے قربان ماں کی جان اے نورِ نظر!

رات آدھی آ چکی سو جا عبث ہلکان ہے
تیرا ابا آج اہلِ خلد کا مہمان ہے

صبح کو جس وقت سورج روشنی برسائے گا
لے کے جنت سے کھلونے مسکراتا آئے گا

حادثہ یہ ' اور ہیں ہمسایوں کے دل آسودہ تر
اِس طرف سے اُس طرف تک سو رہے ہیں بے خبر

☆☆☆

* اکثر بچے مٹھائی کو ''چیز'' کہتے ہیں

دُنیا میں ایسا کوئی دِلاور نہیں رہا

سید کاشف گیلانی

دارا کو مار کر بھی سکندر نہیں رہا
یاور سدا کسی کا مقدر نہیں رہا
مجبور ہو کے کیسے وطن سے گیا نواز
شائد تری نظر میں وہ منظر نہیں رہا
تجھ سے ہزار درجہ ترا پیش رو تھا خوب
تو اپنے پیش رو سے تو بہتر نہیں رہا
ظالم کے ہاتھ روک سکے ظلم و جبر سے
دنیا میں ایسا کوئی دِلاور نہیں رہا
لائیں کہاں سے شورشِ آتش بیاں کو ہم
افسوس ہے وہ مردِ قلندر نہیں رہا
ہر سمت چھا گئی ہے ستم کی سیاہ رات
کوئی بھی روشنی کا پیمبر نہیں رہا
جو مفلسوں کے ساتھ محبت سے پیش آئے
کیا شہر میں اِک ایسا تونگر نہیں رہا
منزل سے دُور دُور بھٹکتا ہے قافلہ
لگتا ہے جیسے کوئی بھی رہبر نہیں رہا
سمجھے گا اُس کو کون سیاست میں معتبر
وہ رہ نما جو جیل کے اندر نہیں رہا
رسوا ہوئے ہیں اِس لیے کاشفؔ جہاں میں ہم
سچ زِندگی کا مرکز و محور نہیں رہا

آغاز وانجام

کامران رعد (لندن)

کفّار ہیں بیدار و فسوں کار و ہنر باز
مسلم ہیں گراں خواب و تہی فکرِ تگ و تاز
الجھے ہیں مسائل میں پر و بالِ تخیّل
تزویرِ تفرّق میں پھنسا طائرِ پرواز
یہ ارض و سما کارگہِ طِیب و الم ہیں
تاریخِ مسلماں ہے کبھی سوز کبھی ساز
کہتا ہے یہی آئینۂ گردشِ ایّام
اِک دور کا معتوب ہے اِک دور کا جانباز
قندیلِ ہدایات جلائے ہوئے رکھنا
کیا خوب اسی نور سے ہو جائیں عیاں راز
تو جہدِ مسلسل ہے نتائج سے ہو گزراں
آغاز ہی انجام ہے انجام ہی آغاز

☆☆☆

مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علامہ اقبالؒ
عادی مجرموں کی زبان درازیاں

شورش کاشمیریؒ

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب تحریک پاکستان کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ان دنوں دہلی میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ تھا۔کسی نہ کسی طرح لیگ کے مقامی رہنما' مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت کو جلسہ میں لے آئے۔خوب دھواں دار تقریریں ہوئیں۔تقریباً تمام یا وہ گو مقرروں نے مولانا حسین احمد کے خلاف انتہائی گندی زبان استعمال کی اور اس طرح اپنا نقطۂ نگاہ پیش کیا۔یہی ان کا سرمایہ تھا اور شاید اس کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے۔

خلاصہ بیان اس پر ختم ہوتا کہ شیخ الاسلام حسین احمد مدنی نہیں' مولانا محمد الیاس ہیں اور ان کی تعریف میں دو چار زوردار کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دیتے۔آخر میں مولانا محمد الیاس نے خطاب کیا اور صرف چند کلمات کہہ کر تقریر ختم فرمادی۔مولانا نے فرمایا کہ ''مولانا حسین احمد کی سیاسی رائے میری سمجھ سے بالا ہے۔اگر میں اس سے اتفاق کرتا تو ان کی کفش برداری کرتا لیکن میں ان کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ اپنی زبان پر لا کر جہنم کی آگ خریدنا نہیں چاہتا۔کیوں کہ میں اللہ کے نزدیک ان کے مرتبہ سے آگاہ ہوں۔اس قسم کا حوصلہ وہی نوجوان کر سکتے ہیں جو حسین احمد کے درجہ ومقام سے واقف نہیں ہیں۔اور نہ ہی قرآنی اخلاق کے اسلامی حدود سے بہرہ ور ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی' مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت ہونا چاہتے تھے لیکن مولانا مدنی نے ان کی طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے اُنھیں مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا اور وہ ان کے حلقہ میں شامل ہوگئے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ کے حلقہ سیاست میں شیخ الاسلام تھے۔ان کا مرتبہ ومقام بھی ڈھکا چھپا نہیں۔جب کبھی ان سے مولانا مدنی کے متعلق سوال کیا گیا۔انھوں نے عموماً یہی کہا کہ مدنی صداقتِ اسلام کی دلیل ہیں۔حضرت مفتی محمد شفیع بفضلِ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں اور زمانہ دیوبند سے مسلم لیگ کے طرفدار ہیں۔انھوں نے تحریک پاکستان کی خدمت کی ہے۔ان سے پوچھئے کہ مدنی غیرتِ اسلام کی دلیل تھے اور فقرِ اسلام کا نمونہ تھے یا ملتِ اسلامیہ کے غدار تھے؟ اور ہندو کے اجیر؟ مولانا احتشام الحق تھانوی میں واعظانہ خوبیوں کے باوجود کسی حکومت سے ٹکراؤ کا حوصلہ نہیں۔ان سے دریافت کر لیجیے کہ مولانا حسین احمد مدنی آیاتِ الٰہی میں سے تھے یا ہندو کے ایجنٹ تھے۔

جن دوستوں نے ''چٹان'' کو لگاتار اپنے مطالعہ میں رکھا ہے' انھیں یاد ہوگا کہ ہم نے دس پندرہ سال پہلے

جالندھر کے ایک راسخ العقیدہ لیگی نوجوان ڈاکٹر مولوی محمد اکرام الحق مرحوم کی زندگی میں ان کی اس روایت کو لکھا تھا کہ مولانا مدنی جالندھر اسٹیشن سے ٹرین میں جارہے تھے تو لیگ کے دو نوجوان ان کے ڈبے میں گھس گئے۔ ایک نے مولانا مدنی کی داڑھی پکڑی، دوسرے نے اس پر تھوکا۔ مولانا مدنی نے آہ تک نہ کی۔ جب یہ روایت ان نوجوانوں نے جالندھر مسلم لیگ کے صدر مولانا عظامی کو سنائی تو مولانا عظامی نے ان نوجوانوں سے کہا بڑھا نک رہے ہو یا واقعی تم نے ایسا کیا اور اس پر فخر کررہے ہو۔ جب دونوں نوجوانوں نے تصدیق کی تو فی الواقعہ وہ یہ کرآئے ہیں تو مولانا عظامی نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو۔ مدنی اہل اللہ میں سے ہیں۔ اس نے مدتوں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکوں سے جاروب کشی کی اور آستانہ اقدس کے سامنے بیٹھ کر حدیث پڑھائی ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مدنی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے' وہ پانی میں ڈوب جائیں گے یا انھیں آگ چاٹ جائے گی۔ ڈاکٹر اکرام الحق راوی تھے کہ ان دونو جوانوں میں سے ایک تقسیم کے وقت دریائے بیاس کی نذر ہوگیا۔ دوسرا (شمس الحق عرف شمّی' فیصل آباد) پاکستان میں آکر پولیس کی معرفت ایک لیگی لیڈر ہی کے ہاتھوں آگ کی بھٹی میں پھینک دیا گیا اور بھسم ہوگیا۔

یہ اتنی واضح اور بین شہادتیں ہیں کہ اس کے بعد اگر کوئی بدکردار اور بدقماش قلم کار مولانا مدنی کی شان میں گستاخی کرتا اور قائداعظم کی آڑ لے کر انھیں یا ان کے ساتھیوں کو اجیر علماء لکھتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ ایک بدبخت انسان ہے اور اسے اپنے نفس کی غلاظتوں پر ساری دنیا کا قیاس ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی۔ چراغِ مصطفوی پر شرارِ بولہبی نے ہمیشہ رکیک حملے کیے ہیں۔ جو لوگ اپنے دل میں خدا کا خوف رکھتے ہوں' وہ اس قسم کی باتیں نہیں کرتے۔ اس ژاژ خائی کا حوصلہ صرف انھیں لوگوں کو ہوتا ہے جنھیں اپنے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ کس ٹہنی کا پتا ہیں؟ آج دنیا میں نہ قائداعظم رہے نہ علامہ اقبال، نہ مولانا حسین احمد مدنی نہ مولانا ابوالکلام آزاد اور نہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ وہ پرانی بساط تمام لپٹ چکی ہے۔ اب ان سب کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے لیکن ان اکابر کی موت کو سالہا سال گزر جانے کے بعد بھی جو لوگ ایک کی آڑ میں دوسرے کو برا کہتے ہیں۔ وہ بہرحال انسان نہیں ہیں۔ گو اس قسم کے افراد گنے چنے ہی ہیں۔ مثلاً صحافیوں میں قادیانی امت کے دسترخوان کا ایک ذلہ ربا تن تنہا اس طرز کا ہذیان کہنے میں پیش پیش ہے اور اکثر و بیشتر آڑ یہ لی جاتی ہے کہ علامہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق درج ذیل قطعہ لکھا تھا:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اشعارِ بالا ''ارمغانِ حجاز'' کے آخر میں درج ہیں۔ علامہ اقبال نے ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال فرمایا۔ ''ارمغانِ حجاز'' نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔ علامہ اقبال زندہ ہوتے اور ''ارمغانِ حجاز'' ان کی ترتیب وتدوین سے شائع ہوتی تو یہ اشعار اس میں کبھی نہ ہوتے۔ علامہ اقبال شخصیات کی مدح وقدح سے بالا بلند تھے اور عمر کے آخری دور میں یہ چیزیں ان کے تصور ہی سے عنقا ہو چکی تھیں۔ انھوں نے اس طرز کے تمام اشعار اپنے کلام سے ہمیشہ خارج کر دیئے۔ اگر مرتبین اتنے ہی دیانت دار ہیں تو انھیں کم از کم مولانا محمد علی جوہر کا مرثیہ ارمغان میں ضرور شامل کرنا چاہیے تھا۔ جو ایک روزنامچے کے ہی کے صفحہ اوّل پر شائع ہوا اور ملک کے تمام اخباروں نے نقل کیا اور شاید کوئی دوسرا مرثیہ اس پائے کا نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ہیں جو وقتی سیاست کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں اور علامہ اقبالؒ کے قلم سے نکلی ہیں۔ مثلاً حضرت علامہ نے علی برادران کی رہائی پر جو اشعار لکھے وہ مسلم لیگ کے اجلاس عام منعقدہ امرتسر میں پڑھ کر سنائے۔ لیکن ''بانگِ درا'' میں جب کہ ان کا ابتدائی دور تھا' شائع کیے تو علی برادران کا ذکر نہ کیا۔ اسی طرح مہاتما گاندھی کی تعریف میں چھے اشعار لکھے جس میں انھیں مردِ پختہ کار وحق اندیش وباصفا سے مخاطب کیا۔ وہ اشعار ۱۳/نومبر ۱۹۲۱ء کے ''زمیندار'' میں چھپ چکے ہیں۔ علامہ اقبال اپنی عمر کے آخری ایام میں قائداعظم کے ساتھ تھے لیکن ۹/نومبر ۱۹۲۱ء کے ''زمیندار'' میں محمد علی جناح سے بھی پانچ شعروں میں چٹکی لی۔ اسی طرح پہلی جنگِ عظیم میں علامہ نے دہلی کی وار کانفرنس میں مسدس لکھ کر سنائی جس میں شہنشاہِ انگلستان سے متعلق دو بند قصیدے کا انتہائی غلو رکھتے ہیں۔ جب یہ تمام نظمیں شاعرانہ محاسن کے باوجود علامہ نے اپنے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیں تو مولانا حسین احمد سے متعلق تین اشعار کا ''ارمغانِ حجاز'' میں شامل کیے جانا فی الواقعہ سیاسی بدعنوانی اور ذہنی حادثہ ہے۔ اس صورت میں یہ اشعار اور بھی افسوسناک معلوم ہوتے ہیں کہ علامہ اقبال نے جس خبر سے متاثر ہو کر یہ اشعار لکھے تھے۔ اس کی حقیقت سے آگاہ ہوتے ہی روزنامہ ''احسان'' میں اس مطلب کا ایک بیان چھپوا دیا کہ مجھ کو اس صراحت کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں مولانا کی حمیتِ دینی کے احترام میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔ ملاحظہ ہو ''انوارِ اقبال'' مرتبہ بشیر احمد ڈار، پیش لفظ جناب ممتاز حسن سابق فنانس سیکرٹری حکومتِ پاکستان۔ شائع کردہ اقبال اکیڈمی (کراچی)

علامہ اقبالؒ نے جناب طالوت کو ایک خط میں لکھا کہ وہ مولانا مدنی کی تصحیح کے بعد اپنے اشعار کی تلخی کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

اس حقیقت کشائی کے بعد اگر کوئی قلم دراز یا زبان دراز مولانا مدنی اور ان کے رفقاء پر نشتر زنی کرتا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ پاکستان کی فضا سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ قائداعظم اور علامہ اقبال کی روحوں کو بھی صدمہ پہنچانے کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس قسم کے غلط کار لوگ پاکستان میں غالباً یہ تصور کیے بیٹھے ہیں کہ وہ کوئی تاریخی کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی کالک اپنے چہرے پر مل رہے ہیں۔

(ہفت روزہ ''چٹان''۔ ۲۴/مارچ ۱۹۷۵ء)

اقبال کا مردِ مومن

بیاد: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری علیہ الرحمتہ

شیخ حبیب الرحمن بٹالوی

۲۰ راگست ۱۹۸۲ جمعہ کی رات براعظم ایشیاء کے عظیم خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی یاد میں دار بنی ہاشم میں ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ اسلم انصاری مہمان خصوصی تھے مشاعرے کا آغاز سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ نے تلاوت قرآن پاک سے کیا۔ اس کی رپورٹ ''ایک یادگار مشاعرہ'' کے نام سے روزنامہ ''امروز'' میں شائع ہوئی۔ اس کے فوراً بعد قربانی کی عید تھی۔ میرا مدرسہ معمورہ جانے کا اتفاق ہوا۔ سید عطاء المحسنؒ باہر کھلی جگہ پر چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ سلام عرض کیا، پوچھا کہاں سے آئے ہیں؟ کیا نام ہے؟ میں نے بتایا کہنے لگے ''امروز'' میں چھپنے والی رپورٹ آپ ہی کی تھی؟ میں نے کہا جی ہاں۔ میں نے بتایا کہ میری جنم بھومی بٹالہ ضلع گورداسپور ہے۔ والد صاحب اس وقت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی تقریر سننے گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر جب انھیں میری پیدائش کا پتا چلا تو انھوں نے میرا نام مولانا کے نام پر ''حبیب الرحمٰن'' رکھ دیا۔ شاہ جی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ پھر تو آپ پیدائشی احراری ہیں۔ کبھی کبھار آ جایا کریں۔ فقیر نے دھونی مار رکھی ہے اور

ادھر سے کبھی تم گزر کر تو دیکھو
بڑی رونقیں ہیں فقیروں کے ڈیرے

شاہ جی سے یہ میری پہلی ملاقات تھی اس سے پہلے گوجرانوالہ لاہور، ملتان تقاریر پر جلسوں میں کئی دفعہ ہاتھ ملایا مگر احترام مانع رہا کھل کر کبھی بات نہ ہو سکی کہ اتنی بڑی شخصیت کے سامنے کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے۔ اس کے بعد میں دار بنی ہاشم ملتان میں جمعہ کے بعد شاہ جی کی نجی محفل میں باقاعدہ حاضری دینے لگا۔ دوسرے دنوں میں بھی آتے جاتے ایک آدھ نماز یہاں ہو جاتی۔ اس دوران شاہ جی کو قادیانی لیڈر مرزا طاہر کے تعاقب میں لندن جانا پڑا۔ وہاں دفاتر قائم کرنے کے بعد شاہ جی کی واپسی پر ان کے اعزاز میں صوفی نذیر احمد صاحب (مالک سٹینڈرڈ بیکری ملتان) کی صدارت میں مجلس احرار اسلام کی طرف سے ایک استقبالیہ دیا گیا۔ شاہ جی نے تقریر کے دوران فرمایا کہ ہمیں ایک تربیت یافتہ ٹیچر چاہیے جو دینی طلباء کو انگریزی پڑھا سکے۔ مدارس میں انگریزی زبان کی تعلیم کو بڑی شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔ دوسرے دن میں نے شاہ جی سے بات کی کہ جب تک آپ کو کوئی تربیت یافتہ ٹیچر نہیں ملتا یہ ہیچ مداں طلباء کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔ شاہ جی نے فرمایا اس مقصد کے لیے میں لندن سے ایک انگلش بک لایا ہوں جو وہاں کی مسلم کمیونٹی نے وہاں کی معاشرتی برائیوں سے ڈرتے ہوئے اپنے بچوں کے لیے تدوین کی ہے۔ وہی آپ نے پڑھانی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اس کتاب کے چند الفاظ یہاں

نقل کیے جاتے ہیں جس سے شاہ جی کی بالغ نظری کا پتا چلتا ہے:

A: ALLAH اللہ　M: MUHAMMAD محمد　B: BISMILLAH بسم اللہ　H: HAJ حج

U: UMRA عمرہ　Z: ZAKAT زکوٰۃ　I : ISLAM اسلام　J: JIHAD جہاد

O : OMAR عمر　Q: QURAN قرآن

مجھے فخر ہے کہ اس طرح شاہ جی کی وساطت سے دو سال تک مجھے دینی طلباء کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ یہ دو سال میری زندگی کا سرمایہ ہیں جن میں جزوی طور پر مجھے ان افراد میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ جن کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بہترین انسان وہ ہیں جو قرآن پاک سیکھتے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں''

"The best persons are those who learn Quran and teach others"

ایک مرتبہ شاہ جی نے کوشش کی کہ مدرسہ کی طرف سے میرا کچھ ماہانہ مشاہرہ مقرر کر دیا جائے۔ میں نے کہا شاہ جی! میں تو محض اللہ کی رضا کے لیے یہاں آتا ہوں کہ آپ گواہی دے سکیں کہ یہ آدمی کچھ عرصہ دینی طلباء کی بے لوث خدمت کرتا رہا ہے۔

ایک دن میں نے اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''شاہ جی! ایک آدمی دوسرے آدمی سے وعدہ کرتا ہے کہ میں تمہارا یہ کام کر دوں گا مگر وہ کام نہیں کرتا۔ دوسری دفعہ وعدہ کرنے پر بھی نہیں کرتا، تیسری مرتبہ اس آدمی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ میں روزانہ رات کو وضو کر کے عشاء کی نماز میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہوں، دعائے قنوت پڑھتا ہوں کہ'' میں چھوڑتا ہوں، علیحدہ ہوتا ہوں، اس شخص سے جو تیری نافرمانی کرے اور صبح اٹھ کر روزانہ میرا اٹھنا بیٹھنا انھی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ میری چھوٹ کہاں تک ممکن ہوگی؟'' فرمایا آپ اچھے طریقے سے دوسروں کو کہہ دیتے ہیں۔ بس کافی ہے۔ ہر ایک نے اپنی قبر میں جانا ہے سمجھا دینا فرض ہے۔ آپ نے دوسروں کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کہہ دیا تھا ''آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے، ہدایت دینا میرا کام ہے۔''

گلشن حیات میں کانٹے اور پھول اکٹھے لگے ہوئے ہیں، کانٹوں سے بچ بچا کر زندگی گزارنے کی کوشش کرو۔ استغفار کو اپنا شعار بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت آسانیاں پیدا کرنے کی دعا کرتے رہو۔ باقی یاد رکھو کہ

وہ پیڑ جن پہ پرندوں کے گھر نہیں ہوتے
دراز جتنے بھی ہوں معتبر نہیں ہوتے

ایک مرتبہ فرمانے لگے عید الاضحیٰ پر طلبا کو آٹھ دن کی چھٹیاں دی جاتی ہیں کہ جا کر ماں باپ سے مل آئیں۔ عید کے تیسرے دن ایک باپ اپنے بیٹے کو لے کر آ گیا۔ رو کر کہنے لگا شاہ جی چھٹیوں میں بھی اسے گھر نہ بھیجا کریں، غربت اتنی ہے کہ ہمارے پاس دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ شاہ جی بڑے دکھ سے بیان کر رہے تھے کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے گھٹیا سے گھٹیا چیز اور سوسائٹی کا رد کیا ہوا بچہ پیش کرتے ہیں۔

محاورہ مشہور ہے کہ روٹی جل جائے تو مسجد میں بھیج دو، کوئی چیز بچ جائے مدرسے میں دے دو۔ مگر یہ توفیق نہیں کہ اس

کے دیئے ہوئے میں سے اس کے نام پر اچھی چیز نکال کر پہلے سے علیحدہ کر لی جائے۔ جو بچہ سکول میں نہ چلے کند ذہن ہو اسے قرآن مجید حفظ کرنے کے لیے مدرسے میں بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ حوصلہ نہیں کہ کوئی ذہین بچہ اللہ کے لیے وقف کر دیا جائے۔ کہنے لگے یہ جتنے طالب علم ہیں ان میں کوئی بھی اونچے خاندان کا بچہ نہیں ہے پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری سنتا نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہم اس کے دیئے ہوئے میں سے اس کو کیا لوٹا رہے ہیں یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ وہ پھر بھی ہمارے ساتھ اچھا سلوک روا رکھے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور توفیق سے مولوی انہی کند ذہن بچوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتا ہے اور انھیں معاشرے میں باعزت مقام پر فائز کرتا ہے۔

ایک دن کہنے لگے لوگ کہتے ہیں اس معاشرے کو درست کرنا بڑا مشکل ہے۔ واقعی ظاہری طور پر کوئی امید نظر نہیں آتی تو کیا ہم یہ چیخنا چلانا بند کر دیں۔ نہیں بات پہنچا دینا ہمارا فرض ہے۔ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جب تک یہ زبان چلتی ہے اس کے راستے میں استعمال کرتے رہیں گے کہ

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

ایک دن ایک نوجوان جو بغیر داڑھی کے تھا شاہ جی کے پاس آیا کہنے لگا! شاہ جی میرا حج کا ارادہ ہے دعا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب کرے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شکل بھی بنالو تا کہ وہاں حاضری قبول ہو جائے کہ:

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، جان، مال، اولاد سے پیارا

فلم، ٹی وی، تھیٹر کے مشہور آرٹسٹ عابد بٹ، ''اندھیرے سے اجالے'' کی طرف آنے کے بعد دار بنی ہاشم میں تشریف لائے، جمعہ میں تقریر کی۔ چائے کے بعد جب جانے لگے تو شاہ جی جن کی ٹانگوں میں اس وقت ورم تھا' اٹھنے لگے۔ عابد بٹ نے کہا شاہ جی میں تو انتہائی گناہ گار انسان ہوں آپ تشریف رکھیں آپ کی بڑی مہربانی۔ شاہ جی نے ان کی داڑھی کو ہاتھ لگا کر کہا'' اللہ کی قسم! میں عابد بٹ کے لیے کھڑا نہیں ہو رہا میں تو بس اس سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں کھڑا ہو رہا ہوں۔

ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد شاہ جی دعا سے فارغ ہو چکے تو ایک آدمی نے کہا شاہ جی! میرا والد سخت بیمار ہے۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ انھیں صحت عطا فرمائے۔ شاہ جی نے کہا اللہ کے بندے! دعا تو میں ضرور کرتا ہوں لیکن ایک بات سمجھ لو والد تیرا بیمار ہے میں بھلا اس کے لیے کتنے خلوص سے دعا کروں گا، صرف رسمی طور پر ہاتھ اٹھالوں گا۔ بھوک تجھے لگی ہوئی ہے روٹی میں کھالوں تیری بھوک مٹ جائے گی؟ تو خود آدھی رات کو اٹھ اللہ کے آگے گڑگڑا، دعا مانگ اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔

شاہ جی کا معمول تھا کہ رمضان میں ایک دو روزے افطاری کی عام دعوت کرتے جتنا آتا اتنا ہی خرچ کرنے کی ان کی عادت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کا تو سینکڑوں بار حکم دیا مگر جمع کرنے کے لیے ایک مرتبہ بھی نہیں فرمایا۔

لفظ اسلام سے یاروں کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فقر غیور

افطار کے وقت میں شاہ جی کے پاس بیٹھا تھا۔ کھانے پینے کی اشیاء سے دسترخوان بھرا ہوا تھا۔ جس میں پھلوں کے علاوہ سموسے بھی تھے۔ کچھ لوگ ابھی لذت کام ودہن سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور کچھ لوگ افطاری سے فارغ ہو چکے تھے۔ فارغ ہونے والوں میں شاہ جی کے ساتھ میں بھی شامل تھا۔ میں نے دیکھا کہ ٹرے میں سموسے کا ایک ٹکڑا پڑا ہے۔ جونہی میں نے وہ ٹکڑا اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ عین اسی وقت شاہ جی نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا مگر میں وہ ٹکڑا اٹھا چکا تھا شاہ جی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک ساتھی نے کہا شاہ جی! یہ جو بہت سارے سموسے ابھی پڑے ہیں ان میں سے آپ اور لے لیں۔ شاہ جی نے فرمایا ''وہ بات ہی اور تھی یہ نمبر لے گیا۔''

میری بیٹی کے نکاح پر شاہ جی تشریف لائے۔ آپ فالج کے عارضہ کے بعد نشتر ہسپتال سے واپس آئے تھے، انتہائی ضعف کا عالم تھا۔ اس کے باوجود غریب خانے کو رونق بخشی۔ چند منٹ بیان بھی فرمایا۔ جاتے ہوئے مجھے تنہائی میں بلایا اور سو روپے زبردستی میری جیب میں ڈال دیئے کہ یہ میری طرف سے بچی کو دے دینا۔

مدرسے میں عصر سے مغرب تک کھیل کود کے لیے رخصت ہوتی۔ بچے گیند بلا اور والی بال وغیرہ کھیلتے۔ شاہ جی چارپائی پر بیٹھے ان کی خوشی میں باقاعدہ شریک ہوتے۔ اچھے کھیل کی تعریف کرتے پھر کھیل سے فارغ ہو کر بچے ایک ایک کر کے شاہ جی کے پاس آنا شروع ہو جاتے۔ پیچھے سے آ کر دائیں طرف ایک بچہ ادب سے کھڑا ہو جاتا۔ شاہ جی ہر بچے کی زبان میں پیار سے پوچھتے کیا بات ہے؟ پیسے لینے ہیں؟ کیا کھاؤ گے؟ پھر ہر ایک کو اس کی عمر کے مطابق کسی کو ایک اور کسی کو دو روپے دیتے چلے جاتے۔ بچوں کی خوشی دیدنی ہوتی اور ان طلباء کے دمکتے ہوئے چہرے دیکھ کر شاہ جی کی مسرت میں بھی بے پایاں اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ جیسے ایک باپ اپنی اولاد کو خوش دیکھ کر ایک طمانیت محسوس کرتا ہے جیسے ایک مالی کے دل میں اپنے ہاتھ کے لگے ہوئے بیل بوٹوں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

شاہ جی کی اپنی اولاد کوئی نہیں تھی۔ اپنے بھانجوں کفیل اور ذوالکفل سے انھیں بے حد پیار تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے بھی اپنے آپ کو شاہ جی کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ایک دفعہ کفیل بخاری لاہور گئے ہوئے تھے۔ انھیں زیادہ دیر لگ گئی۔ شاہ جی اداسی کی کیفیت میں کہنے لگے ''کئی دن گزر گئے ہیں، میرا دولہا نہیں آیا'' ایک ساتھی نے پوچھا: ''شاہ جی کون؟'' شاہ جی نے کہا کفیل لاہور گیا تھا، کئی دن ہو گئے ہیں آیا نہیں۔ خیر ہو! ساتھی نے کہا۔ شاہ جی کوئی بات نہیں کام پڑ گیا ہوگا۔ آ جائے گا۔ شاہ جی آبدیدہ ہو کر کہنے لگے۔ تجھے کیا پتا' جس کا بچہ نہ ہو۔ اولاد کی سار (قدر) اسے ہوتی ہے۔

شاہ جی کے ایک پرانے ساتھی یوسف باوا بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے شاہ جی سے کہا ''شاہ جی! ہم آپ کے پاس اس لیے آتے ہیں کہ آپ دولت سے پیار نہیں کرتے جس دن آپ کے پاس دولت آ گئی ہم آپ کو چھوڑ جائیں گے کہ:

طویل عمر گزاری تو پھر یہ راز کھلا
کہ با ضمیر کبھی اہل زر نہیں ہوتے

شاہ جی مذاق میں کہنے لگے باوے! تم مجھے ہمیشہ کے لیے غریب رہنے کی دعا دے رہے ہو؟

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فقر و درویشی کو پسند فرمایا ہے اور

دل کی آزادی شہنشاہی ، شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے ، دل یا شکم

شاہ جی کے طفیل ہی مجھے ملک کے جید علما، شعرا، ادبا اور سکالرز کو سننے اور ان سے ملنے کا موقع ملا۔ جن میں علامہ خالد محمود، مشفق خواجہؒ، ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا خان محمد، قاضی حسین احمد، مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلی)، مولانا محمد سعید الرحمٰن علویؒ سید نفیس الحسینی، ڈاکٹر عاصی کرنالی، ڈاکٹر اسلم انصاری، حافظ لدھیانویؒ، عباس نجمی، ایم ایم عالم، جانباز مرزاؒ، خالد مسعود، خادم کیتھلیؒ، تاثیر و جدان، جاوید اختر بھٹی قابل ذکر ہیں۔

شاہ جی کی شخصیت میں ایک کشش تھی۔ وہ انتہائی بلند اخلاق کے مالک تھے۔ ان سے ملنے والا ہر ایک یہی سمجھتا کہ شاہ جی اُسی کے زیادہ قریب ہیں۔ ان کی وسعت قلبی کے دائرے میں جو بھی آیا جھومتا چلا گیا۔ بچے سے لے کر بڑے تک ہر ایک کے ساتھ ہر ایک کے مزاج، ہر ایک کی بولی میں گفتگو کرنا ان کا خاصہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی دوسروں کی حوصلہ افزائی کرنا' ان کی سرشت میں شامل تھا۔ وہ غم گساری اور ہمدردی کا مرقع تھے۔ وہ ایک عظیم انسان تھے میرے بس میں ہوتا تو میں اپنی زندگی بھی شاہ جی کو دے دیتا کہ وہ میرے جیسے کمترین آدمی کی بات بھی بڑی توجہ سے سنتے یہی وجہ تھی کہ میں بعض اوقات زندگی کے غم و آلام کا ستایا ہوا جب زیادہ پریشان ہوتا تو ان کے دامن عافیت میں پناہ لیتا۔ وہ میری بپتا سنتے دل جوئی کرتے خلوص و محبت کے بھرپور انداز میں میرے ٹوٹے ہوئے دل کی مرہم پٹی کرتے۔ دراصل وہ خود ایک شکستہ دل کے مالک تھے درویشی و بے نیازی میں ساری زندگی گزاری۔ عوارض کی پوٹ بن چکے تھے، اولاد کوئی نہیں تھی بیوی پہلے اللہ کو پیاری ہو چکی تھی۔ وہ اپنے دل کے آئینے کو بچا بچا کر رکھنے کے قائل ہی نہیں تھے۔ شاید وہ علامہ اقبالؒ کے اس راز کو پا گئے تھے:

کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

۲۱/اکتوبر ۱۹۹۹ء کو میرے بہنوئی گوجرانوالہ میں وفات پا گئے۔ پانچ دن بعد جب میں واپس آیا تو پتا چلا کہ شاہ جی نشتر ہسپتال میں ہیں۔ تقریباً روزانہ حاضر ہوتا۔ جب بھی ان کی طبیعت سنبھلی، انھیں شاداں و فرحاں پایا کبھی وہ مرد درویش کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔ وفات سے چار روز قبل قاری نور الحق ایڈووکیٹ اور جاوید اختر بھٹی (ایڈیٹر انشعاب) ان کے پاس بیٹھے تھے' میں بھی موجود تھا۔ شاہ جی نے قاری صاحب سے اتنا کہا ''بات کرنی تو نہیں چاہیے دعا کریں زندگی ہے تو اللہ تعالیٰ صحت دے دے۔ ورنہ یہ مشکل اب ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے۔ بھٹی صاحب سے یہ جملہ برداشت نہ ہو سکا، اٹھ کر باہر چلے گئے:

ملک الموت کو یہ ضد تھی کہ جاں لے کے ٹلے
سر بسجدہ تھا مسیحا کہ میری بات رہے

پھر وہ اقبال کا مرد مومن چار دن موت سے لڑتا ہوا' ۱۲/نومبر جمعہ کے روز ۱۱ بج کر ۴۰ منٹ پر سفر آخرت کو سدھار گیا۔ شاہ جی

کے خدمت گزار طلباء (محمد اکمل، حافظ شفیق، ضیاء اللہ، اختر، امتیاز) بیان کرتے ہیں کہ مرنے سے پہلے کمرے میں موجود سب کو بلا کر ہاتھ ملایا اور کہا گواہ رہنا۔ میں کلمہ پڑھ کر جا رہا ہوں۔ پھر کلمہ پڑھا۔ ضیاء اللہ کہتا ہے چند ثانیے پہلے پانی مانگا۔ دو تین چمچ آب زمزم پیا پھر اشارے سے ہاتھ پرے کر دیا کہ بس اب کام تمام ہو چکا ہے۔ گلے کی طرف اشارہ کر کے کہا یہاں تک روح قبض ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ایک بے باک اور طاقتور آواز جو چالیس سال تک مسلسل شرک و بدعت، کفر و ارتداد اور دجل و فریب کے ایوانوں کو لرزاتی رہی، خاموش ہو چکی تھی۔ ہفتے کی صبح سوا آٹھ بجے آنسوؤں اور سسکیوں میں ان کا جنازہ دار بنی ہاشم سے اٹھایا گیا۔ پیر و جواں سب رو رہے تھے، ننھے صبیح سے لے کر پروفیسر عباس نجمی تک ہر آنکھ اشک بار تھی اور میرے شاہ جی سب سے بے نیاز سب سے بے پروا اپنے ساتھیوں کے کاندھوں پر سوار ایم ڈی اے روڈ سے ہوتے ہوئے جلال باقری قبرستان کی طرف رواں دواں تھے۔ جنازے میں لوگوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا۔

شاہ جی ۶۳ سال کی صبر آزما اور کٹھن زندگی کے تھکے ہارے آخر اپنے عظیم ماں باپ کے قدموں میں آسودہ خاک ہوئے۔ لوگ چار دیواری کے اوپر، اندر اور باہر دیوانوں کی طرح کھڑے تھے کہ جیسے شاہ جی کا انتظار کر رہے ہوں۔ جیسے شاہ جی ابھی کہیں سے نمودار ہو کر تقریر کا آغاز کرنے والے ہوں مگر وہ تو بہت دور بہت دور جا چکے تھے۔ جہاں جا کر پھر کوئی واپس نہیں آیا۔ شاید ناراض ہو گئے تھے۔ شاید روٹھ گئے تھے اور:

جاتے ہوئے چہرے تو دیکھے ان غم دیدہ آنکھوں نے
آج تلک پیغام نہ آیا روٹھ کے جانے والوں کا

☆☆☆

مسافرانِ آخرت

☆ مجلس احرار اسلام سلانوالی کے کارکن حافظ شفیق الرحمٰن کی والدہ ماجدہ ۱۸ رمضان کو انتقال فرما گئیں۔

☆ جناب اللہ دتہ ناصر راجپوت (وان رسے والے، نشاط روڈ بیرون حرم گیٹ ملتان) ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو انتقال کر گئے۔

☆ فیصل آباد میں ہمارے مہربان جناب محمود احمد کی والدہ ۲۲ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو انتقال کر گئیں۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

دعائے صحت

☆ والدہ صاحبہ حافظ شفیق الرحمٰن (رفیق سفر حضرت پیر جی مدظلہ ☆ مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن جناب حافظ محمد فاروق سخت علیل ہیں۔ قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

زبان میری ہے بات اُن کی

ساغر اقبالی

☆ ہم انتقامی کارروائیوں کا خاتمے چاہیں ہیں۔ (بے نظیر)
ہم لوٹا ہوا مال ڈکارنا چاہتے ہیں۔
☆ ملاں کو خدا حافظ کہنے کی ضرورت ہے۔ (نجم سیٹھی)
تم چونکہ چنانچہ کی پہچان ہو　　گنہگار راتوں کا دیوان ہو
☆ اسامہ اور طالبان عورت کی حکمرانی کے خلاف ہیں۔ (بے نظیر)
اسامہ اور طالبان کی کیا حیثیت ہے! اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی حکمرانی کے خلاف ہیں۔
☆ میں نے کسی کی کھوتی چرائی ہے۔ (امجد حمید دستی، حکومتی رکن اسمبلی)
گریجویٹ اسمبلی کی مہذب گفتگو کا نمونہ
☆ چاہتا ہے ہر انسان، روٹی کپڑا اور مکان (بے نظیر کا نعرہ)
چاہتا ہے ہر زردار　　سرے محل اور قیمتی ہار
☆ میں غریبوں کے لیے پاکستان آئی ہوں (بے نظیر)
صرف ڈیڑھ سو غریبوں کی جان لی ہے۔
☆ سانحۂ کراچی کی تحقیقات سے قوم کو آگاہ کیا جائے گا۔ (وزیر اعظم شوکت عزیز)
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا
☆ حکومت نے جسٹس بھگوان داس کا پنشن کیس روک لیا۔ (ایک خبر)
پیالے میں زہر ہی نہیں تھا ورنہ
سقراط کب کا مر گیا ہوتا
☆ اسامہ پاکستان میں ہوئے تو امریکہ کو کارروائی کا اختیار دیا جا سکتا ہے۔ (بے نظیر)
خدا وہ دن نہ دکھائے　　کہ تجھے اقتدار کی بو آئے
☆ امریکی پرچم اٹھانے والوں پر حملے ہو سکتے ہیں۔ (شیخ رشید
شیخ جی! آپ نے کس کا پرچم اٹھایا ہوا ہے؟
☆ ایران نے یورینیم کی افزودگی جاری رکھی تو سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے۔ (امریکہ)
منہ توڑ جواب دیں گے۔ (ایران)

مرزا قادیانی.....نیم حکیم خطرۂ جان

عرفان محمود برق
نومسلم (سابق قادیانی)

حق وصداقت کی شمع سے فروزاں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تو اُس کی رضا جوئی کے تابع رہتا ہے اور تمام علوم بھی اُسی عالم الغیب سے سیکھتا ہے لیکن ابلیسی نبوت کا استاد شیطان ملعون اور شیطان صفت انسان بنتے ہیں۔ جھوٹا مدعی نبوت مکتب بھی جاتا ہے، اپنے استادوں سے گالیاں بھی سنتا ہے اور مرغا بن کر جوتے بھی کھاتا ہے۔ جیسا کہ مرزا قادیانی جوان تمام عوامل سے گزر کر فرنگی کے اشارۂ ابرو پر مدعیٔ نبوت ہوا۔ مرزا قادیانی نے طب کی بعض کتابیں اپنے والد سے پڑھی تھیں۔ وہ اپنی کتاب ''کتاب البریہ'' میں لکھتا ہے:

''میں نے فن طبابت کی چند کتابیں اپنے والد سے جو ایک نہایت حاذق طبیب تھے، پڑھیں۔''

(کتاب البریہ، حاشیہ ص ۱۵۰)

طب جیسے حساس شعبے میں اتنی محدود معلومات کے ہوتے ہوئے مرزا قادیانی نے ستم یہ ڈھایا کہ وہ خود مسند معالجت پر آ بیٹھا اور مختلف امراض کی ادویات سازی کرنے لگ گیا۔ جہلا نے سمجھا کہ شاید یہ بڑے حکیم صاحب ہیں اور غیبی خبریں رکھتے ہیں، اس لیے ان کی دی ہوئی دوا ضرور اکسیرِ اعظم کا درجہ رکھے گی۔ چنانچہ انھوں نے یہ سوچ کر مرزا قادیانی سے مختلف امراض کی ادویات لینی شروع کر دیں۔

جب تریاق الٰہی، ذلت ورسوائی بن گئی:

اسی دور میں ایک دفعہ ہندوستان میں طاعون کی وبا پھوٹی۔ اس موقع پر مرزا قادیانی نے یہ پیش گوئی جھاڑی کہ اُسے الہام ہوا ہے کہ قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا۔ مرزا قادیانی کے الفاظ یوں تھے:

''ما کان اللّٰہ یعذبھم وانت فیھم .انہ اوی القریۃ .ولاالاکرام لھلک المقام . خدا ایسا نہیں ہے کہ قادیان کے لوگوں کو عذاب دے۔ حالاں کہ تو ان میں رہتا ہے۔ وہ اس گاؤں کو طاعون کی دست برد اور اس تباہی سے بچائے گا۔ اگر تیرا پاس مجھے نہ ہوتا اور تیرا اکرام مدنظر نہ ہوتا تو میں اس گاؤں کو ہلاک کر دیتا۔'' (تذکرہ، ص ۴۳۶)

''اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ تاہم سمجھو کہ قادیان اسی لیے محفوظ رکھا گیا کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔'' (دافع البلاء، ص ۴۔۵، در روحانی خزائن، جلد ۱۸، ص ۲۲۵۔۲۲۶، از مرزا)

مرزا قادیانی کی اس پیش گوئی نے پورا ہونے سے صاف انکار کر دیا اور مرزا کی مزید ذلت و رسوائی کا سبب بن گئی۔ قادیان میں طاعون کی وبا اس قدر زور سے حملہ آور ہوئی کہ قادیانیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئی اور مرزا قادیانی سمیت اُس کے پیروکار چیخ اٹھے:

''اے خدا! ہماری جماعت سے طاعون کو اٹھا لے۔'' (اخبار بدر، قادیان، ۴ر مئی ۱۹۰۵ء)

''ایک دفعہ کسی قدر شدت سے طاعون قادیان میں ہوئی۔''

(حقیقت الوحی، ص۲۳۲، در روحانی خزائن، جلد۲۲، ص۲۳۳، از مرزا قادیانی)

قادیان میں طاعون کی وبا پھوٹنے کی وجہ سے مرزا قادیانی کے گرد پھر مریضوں کا ہجوم لگ گیا۔ ایسی صورت میں مرزا قادیانی نے اپنی حکیمی جھاڑتے ہوئے بھنگ کا گھوٹا پی کر ایک دوائی تیار کی' جسے ''تریاق الٰہی'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس دوائی کی تیاری میں مرزا نے طب سے بے بہرہ وری اور حقیقت ناشناسی کا ثبوت یوں بہم پہنچایا کہ جتنی بھی دیسی اور انگریزی ادویات ہاتھ لگتی گئیں' انھیں اکٹھی کر کے مکس کرواتا گیا اور آخر بہت سی فالتو، حرام، مکروہ، غیر ضروری اور ضرر رساں ادویات کا معجون قاتل تیار کر ڈالا۔ مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد قادیانی نے اس بات کا اقرار یوں کیا ہے کہ:

''ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) نے طاعون کے ایام میں ایک دوائی ''تریاق الٰہی'' تیار کرائی تھی۔ حضرت خلیفہ اوّل نے ایک بڑی تھیلی یاقوتوں کی پیش کی۔ وہ بھی سب پسوا کر اس میں ڈلوا دیئے۔ لوگ کوٹتے پیستے تھے۔ آپ اندر جا کر دوائی لاتے اور اس میں ملواتے جاتے تھے۔ کونین کا ایک بڑا ڈبہ لائے اور وہ بھی سب اسی کے اندر الٹا دیا۔ اسی طرح کی وائیم پی کی ایک بوتل لا کر ساری الٹ دی (مگر چند سطور بعد مرزا بشیر احمد قادیانی اس بات کا بھی اقراری ہے کہ) طبی تحقیق کرنے والوں کے لیے علیحدہ علیحدہ چھان بین بھی ضروری ہوتی ہے۔ تاکہ اشیاء کے خواص متعین ہو سکیں۔'' (سیرت المہدی، حصہ سوم، ص۳۱۸، ۳۱۹)

حکیم نورالدین کا اقرار:

جب حکیم نورالدین خلیفہ قادیان نے مرزا قادیانی کی یہ احمقانہ حرکت دیکھی تو بے ساختہ اُس نے بھی کہہ ہی دیا کہ مرزا قادیانی کی یہ بنائی ہوئی دوا کسی طبی فائدے کی بجائے غیر جاندار اور بے اثر ہے۔ ملاحظہ ہو:

مرزا بشیر احمد قادیانی ''سیرت المہدی'' میں لکھتا ہے کہ:

''(''تریاق الٰہی'' میں مرزا قادیانی نے) دیسی اور انگریزی اتنی دوائیاں ملا دیں کہ حضرت خلیفہ اوّل (حکیم نورالدین) فرمانے لگے کہ طبی طور پر تو اب اس مجموعہ میں کوئی جان اور اثر نہیں رہا۔''

(سیرت المہدی، حصہ سوم، ۲۱۸)

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں.....

مرزا قادیانی کے بنائے ہوئے اس ضرر رساں نسخے جسے ''تریاق الٰہی'' کا اعزاز حاصل تھا۔ لوگوں نے کثیر

تعداد میں استعمال کیا۔لیکن صحت کے ان طلب گاروں کے ساتھ مرزا قادیانی کی روحانیت اور اُس کے ''تریاق الٰہی'' نے کیا سلوک کیا؟ پڑھئے:

☆ ''اس جگہ (قادیان) زور طاعون کا بہت ہو رہا ہے۔کل آٹھ آدمی مرے تھے۔اللہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم کرے۔'' (مرزا قادیانی کا مکتوب، محررہ ۱۶/اپریل ۱۹۰۴ء)

☆ ''قادیان میں ابھی تک کوئی نمایاں کمی نہیں ہے۔ابھی اس وقت جو کچھ لکھ رہا ہوں ایک ہندو بیجناتھ نام جس کا گھر گویا ہم سے دیوار بہ دیوار ہے۔چند گھنٹہ بیمار رہ کر راہی ملک عدم ہوا۔''
(مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم نمبر چہارم، ص ۱۱۶)

☆ ''مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہ!
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ.....اس طرف طاعون کا بہت زور ہے۔ایک دو مشتبہ وارداتیں امرتسر میں ہوئی ہیں۔چند روز ہوئے ہیں۔میرے بدن پر بھی ایک گلٹی نکلی تھی۔''
(مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم نمبر اوّل، مکتوبات نمبر ۳۸)

☆ ''قادیان میں طاعون آئی اور بعض اوقات کافی سخت حملے بھی ہوئے.....پھر خدا نے حضرت مسیح موعود کے مکان کے اردگرد بھی طاعون کی تباہی دکھائی اور آپ کے پڑوسیوں میں کئی موتیں ہوئیں۔'' (سلسلہ احمدیہ، جلد اوّل، ص ۱۲۲)

یہ تھی کذاب قادیان کی روحانیت اور ''تریاق الٰہی'' کا ''فیض'' کہ جس شخص نے طاعون کی وبا کا شکار نہیں بھی ہونا تھا' اُسے بھی طاعون نے پچھاڑ کر مرزا کی جھوٹی اور جعلی حکمت خطرہ جان کو سب کے سامنے افشاں کر دیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ:

مرجے دے لکیاں آکھے تے گندی موت مرجاویں گا
تے جے لائی لو محمد سوں رب دی ترجاویں گا
(مصنف)

مرزا کی جعلی حکمت کے مزید نمونے:

جو غذا نقصان پہنچاتی اُسے زیادہ استعمال کرتا:

مرزا قادیانی کو دستوں کی بیماری تھی۔جاہل سے جاہل تر نیم حکیم بھی اس بات سے آشنا ہے کہ دستوں میں دودھ کا استعمال مزید دستوں کا باعث بنتا ہے لیکن جاہلیت کے عالمی گولڈ میڈلسٹ کا اعزاز متنبّی قادیان کو ہی حاصل تھا کہ وہ دستوں میں بھی دودھ کا استعمال زیادہ کر دیتا تھا۔جس سے اُس پر دستوں کی مزید برسات پڑتی اور تقریباً سارا دن اُس کا لیٹرین کے چکروں میں گزرتا۔

مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد قادیانی لکھتا ہے:

''دودھ کا استعمال آپ اکثر رکھتے تھے اور سوتے وقت تو ایک گلاس ضرور پیتے تھے اور دن کو بھی۔ پچھلے دنوں میں زیادہ استعمال فرماتے تھے۔ کیوں کہ یہ معمول ہوگیا تھا کہ ادھر دودھ پیا اور اُدھر دست آ گیا۔ اس لیے بہت ضعف ہوجاتا تھا۔ اس کے دور کرنے کو دن میں تین چار مرتبہ تھوڑا تھوڑا دودھ طاقت قائم کرنے کو پی لیا کرتے تھے۔'' (سیرت المہدی، حصہ دوم، ص ۱۳۴)

قادیانیو! خصوصاً قادیانی ڈاکٹرو اور میڈیکل افسرو! مرزا کے اس جاہلانہ عمل کی پیروی کرتے ہوئے تم پر بھی لازم ہے کہ جب تمہیں دستوں کا مرض آ گھیرے تو تم صحت کے سائنسی وطبی تمام قوانین وضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فوراً دودھ کا استعمال زیادہ کردو اور لٹرین کو بار بار اپنے دیدار کا شرف بخشو اور اگر دست مزید ترقی کرتے جائیں تو مزید دودھ منگواتے جاؤ، پیتے جاؤ اور ساتھ ساتھ اپنے جعلی نبی کے طبی نسخوں کی بھی داد دہی کرتے جاؤ۔

گرمی دانوں کا علاج گرم کپڑے:

''گرمی دانے'' جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ جسم پر نکلنے والے وہ ابھار جو گرمی کے باعث نمودار ہوتے ہیں۔ ساری دنیا کے ڈاکٹر وحکیم حتیٰ کہ ایک عام انسان بھی اس بات سے بخوبی آشنا ہے کہ اگر جسم پر گرمی دانے نکل آئیں تو گرم لباس سے مکمل مجتنب رہنے میں ہی دانش مندی وعافیت ہے۔ لیکن مرزائے قادیان کی عقل وحکمت کی داد دیجیے کہ شدید موسم گرما میں جب گرمی دانوں کا عذاب اُس کے سارے جسم کو پوٹھوہار بناتا تو بجائے نرم وسرد لباس کے وہ مزید گرم لباس پہن لیتا۔

مرزا بشیر احمد قادیانی نے لکھا ہے:

''بعض اوقات گرمی میں حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی پشت پر گرمی دانے نکل آتے تھے۔''

پھر مرزا قادیانی ان گرمی دانوں کا علاج کیسے کرتا؟ مرزا بشیر احمد قادیانی ہی لکھتا ہے کہ:

''بدن پر گرمیوں میں عموماً ململ کا کرتہ استعمال فرماتے تھے۔ اس کے اوپر گرم صدری اور گرم کوٹ پہنتے تھے۔ پاجامہ بھی آپ کا گرم ہوتا تھا۔ نیز آپ عموماً جراب بھی پہنتے تھے۔'' (سیرت المہدی، حصہ اوّل، ص ٦٦)

(پھر گرم پانی سے نہاتا بھی ہوگا اور دھوپ کے نیچے بیٹھ کر آٹھ دس انڈے ہڑپ کر کے کہتا ہوگا کہ میں خاندانی حکیم ہوں۔ ناقل)

مرغا ذبح کروا کے سر پر باندھ دیا:

ایک دفعہ قادیان میں مرزا قادیانی کا ایک عزیز سخت بیمار ہوگیا۔ جس سے اُس کا دماغ بھی کافی متاثر ہوا۔ مریض کے گھر والوں نے مرزا قادیانی کو بطور معالج اُس کا علاج کرنے کے لیے بلوایا۔ مرزا قادیانی نے وہاں بھی اپنی جاہلیت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے اُس مریض کا علاج یہ تجویز کیا کہ ایک مرغا ذبح کروا کے ویسے ہی خون میں لتھڑا ہوا اُس بیچارے کے سر پر باندھ دیا۔

سیرت المہدی میں مرزا بشیر احمد قادیانی اس واقعہ کے متعلق یوں رقم طراز ہے:

''حضرت والدہ صاحبہ یعنی ام المومنین اطال اللہ بقائہا نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مرزا نظام الدین صاحب کو سخت بخار ہوا۔ مرزا نظام الدین صاحب کے عزیزوں نے حضرت صاحب کو اطلاع دی اور آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور مناسب علاج کیا۔ علاج یہ تھا کہ آپ نے مرغا ذبح کرا کے سر پر باندھا۔'' (سیرت المہدی، حصہ سوم، ص ۲۷، از مرزا بشیر احمد قادیانی ابن مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی کے متعلق اس طرح کے درجنوں حوالہ جات پیش کیے جاسکتے ہیں۔ جن سے وہ جعلی معالج یا نیم حکیم تو بڑی دور کی بات' ایک کم فہم انسان بھی ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن قادیانیوں کی مرزا قادیانی کے متعلق اندھی تقلید کی انتہا دیکھئے کہ بجائے مرزے کی ان بیہودہ اور جاہلانہ حرکات دیکھ کر اُس سے عقیدت کے تمام بندھن توڑ کر اسلام کے چمنستان روح افزا میں داخل ہوتے۔ وہ اب تک اُسے ''علم الطب'' کا شہنشاہ تصور کیے ہوئے ہیں۔ قادیانیوں کا روزنامہ اخبار ''الفضل'' اپنے ۲۱ / اکتوبر ۲۰۰۲ء کے شمارے میں لکھتا ہے:

''سیدنا وامامنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (مرزا قادیانی) نے اپنی روحانی آنکھ اور چشم بصیرت سے جہاں ''علم الادیان'' پر ایسی انقلابی روشنی ڈالی کہ دن چڑھا دیا وہاں ''علم الابدان'' یعنی میڈیکل سائنس اور طب کے سلسلہ میں بھی پوری عمر بے شمار روحانی تجربات ومشاہدات کے بعد دنیائے طب کے لیے ایسے بیش قیمت رہنما اصول رکھے جو صرف اور صرف ایک ربانی مصلح ہی کی خدا نما شخصیت سے مخصوص ہو سکتے ہیں اور دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ آج تک طب اور سائنس کے ماہر فاضلوں کا لٹریچر ان پہلوؤں کے اعتبار سے بہت حد تک خاموش ہے۔''

قادیانی اخبار ''الفضل'' یہاں جھوٹ بولنے میں اپنے گرو گھنٹال مرزا قادیانی کو بھی مات دے گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے طب کے میدان میں جو انسانیت کش اور ضرر رساں اصول مرتب کیے ہیں' اُن کی نظیر طب اور میڈیکل سائنس کے ماہرین میں تو کیا کسی فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے اُس شخص میں بھی نہیں پائی جاتی جس کی عقل ہمہ وقت محو پرواز رہتی ہے۔

لیکن اگر باقی باتوں سے قطع نظر ایک لمحہ کے لیے مرزا قادیانی کو نیم حکیم بھی تسلیم کرلیا جائے پھر بھی اسلام اور جدید سائنس مرزے کی تردید پر کمر بستہ نظر آتی ہے۔ کیوں کہ نیم حکیمی کی گنجائش نہ دین اسلام میں ہے اور نہ ہی جدید سائنس میں۔ ملاحظہ فرمائیں:

جاہل معالج اسلام اور جدید سائنس کے آئینہ میں:

اوّلاً اسلام نے انسانیت کے لیے حفظانِ صحت کے ایسے اصول مرتب کیے ہیں کہ بندہ زیادہ سے زیادہ بیماریوں سے قبل از وقت بچا رہے۔ تاہم اگر کوئی بیماری حملہ آور ہو جائے تو اس کا مناسب علاج بھی پیش کیا ہے۔ طب کو باقاعدہ ایک فن کے طور پر پروان چڑھانے اور اس فن کے ماہرین پیدا کرنے میں سب سے زیادہ دخل اسلام کو حاصل ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے ہسپتال مسلمانوں ہی نے قائم کیے اور سب سے پہلے رجسٹرڈ ڈاکٹروں اور سرجنوں کا ایک باقاعدہ نظام

بھی اِنھی نے وضع کیا تا کہ مختلف بیماریوں کا صحیح طبی خطوط پر علاج کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں تاج دارِ کائنات، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اُمتِ مسلمہ کے لیے مشعل راہ (اور امت مرزا کے لیے باعث حق شناسی) ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

ومن تطبب ولم یعلم منه الطب قبل ذلک فهو ضامن (سنن ابن ماجہ، ۲۵۶)

''جس شخص نے علم الطب سے نا آگہی کے باوجود طب کا پیشہ اختیار کیا تو اُس (کے غلط علاج، مضر اثرات) کی ذمہ داری اُسی شخص پر عائد ہوگی۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ آپ بیمار ہو گئے۔ ان کے علاج کے لیے دو طبیب آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موقع پر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ دونوں میں سے جس کا تجربہ زیادہ ہے وہ علاج کرے۔ چنانچہ ان دونوں میں سے جس طبیب کا علم طب پر عبور اور تجربہ زیادہ تھا۔ اُس نے اس صحابی رسول کا علاج کیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

ایکما اطب من تطبب وھو لا یعرف طبافھو ضامن. (ابوداؤد، کتاب الطب)

''اگر کسی نیم حکیم کی وجہ سے کوئی مر گیا تو اس کی موت کا ذمہ دار وہ ڈاکٹر اور حکیم ہوگا۔''

اس فرمان نے جہاں لوگوں کو طب میں تخصیص کے لیے مہمیز دی۔ وہاں اسلام کی اوّلین صدیوں میں ہی جعل سازوں سے بچنے کے لیے میڈیکل کا ایک باقاعدہ امتحانی نظام وضع کرنے میں بھی مدد ملی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں بڑے بڑے ماہرین طب اور سرجن پیدا ہوئے۔

دنیا میں سب سے پہلے ڈاکٹروں اور طبیبوں کے لیے امتحانات اور رجسٹریشن کا باقاعدہ نظام عباسی خلافت کے دور میں ۹۳۱ء میں بغداد میں وضع ہوا۔ جسے جلد ہی پورے عالم اسلام میں نافذ کر دیا گیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک جعلی حکیم کے ناقص علاج سے ایک مریض کی جان چلی گئی۔ اُس حادثے کی اطلاع حکومت کو پہنچی تو تحقیقات کا حکم ہوا۔ پتا یہ چلا کہ اُس عطائی طبیب نے میڈیکل کی مروّجہ تمام کتب کا مطالعہ نہیں کیا اور چند ایک کتابوں کو پڑھنے کے بعد مطب Clinic کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

اُس حادثے کے فوری بعد حکومت کی طرف سے معالجین کی باقاعدہ رجسٹریشن کے لیے ایک بورڈ بنایا گیا۔ جس کی سربراہی اپنے وقت کے عظیم طبیب سنان بن ثابت کے ذمہ ہوئی۔ اُس بورڈ نے سب سے پہلے صرف بغداد شہر کے اطباء کو شمار کیا تو پتا چلا کہ شہر بھر میں کل ۱۰۰۰ طبیب ہیں۔ تمام اطباء کا باقاعدہ تحریری امتحان اور انٹرویو لیا گیا۔ ایک ہزار میں سے ۷۰۰ معالج پاس ہوئے۔ چنانچہ رجسٹریشن کے بعد انھیں پریکٹس کی اجازت دے دی گئی اور ناکام ہو جانے والے ۳۰۰ اطباء کو پریکٹس کرنے سے روک دیا گیا۔

۶۱ھ کے مشہور طبیب ابن سہیل بغدادی نے اپنی مشہور کتاب ''مختارات'' میں مسند معالجت پر بیٹھنے کے لیے چند ضروری شرائط رقم کی ہیں۔ اور لطف یہ کہ مرزا قادیانی میں اُن رقم کردہ شرائط میں سے ایک شرط بھی نہیں پائی جاتی۔ ابن سہیل بغدادی لکھتے ہیں کہ:

> ''اس معالج پر اعتماد کیا جانا چاہیے جس نے علم طب کی تحصیل اپنے وقت کے بڑے بڑے اساتذہ فن سے کی ہو اور عملی مشق و تجربہ کے لیے ایک مدت دراز تک ماہرین کی خدمت میں رہا ہو اور ان کی نگرانی میں مریضوں کی دیکھ بھال اور علاج معالجہ کیا ہو اور ان بزرگوں سے سند مہارت حاصل کی ہو۔ تب جا کر بیماریوں کی طرف رجوع کرے۔''

اسلام اور مسلمان اطباء کی ان ہدایات سے آج عالمی ادارہ صحت (World Health Organization) W.H.O کی تنظیم بھی متفق ہے اور قانوناً مطالبہ کرتی ہے کہ تمام عطائی (Quacks) کی پریکٹس کو مسدود کر دیا جائے۔ (Preventive and social Medicine By Dr. Seal P. 160)

یورپ میں عطائیت کے خاتمے کے لیے سب سے پہلا قانون ۱۸۲۱ء میں معرضِ وجود میں آیا۔ اس کی رو سے ہر وہ شخص جو علاج معالجے کا دعوے دار ہے لیکن اس کے پاس کسی مستند محکمے، کالج یا انسٹی ٹیوٹ کی سند یا اجازت نہیں تو قانوناً ایسے شخص کو پریکٹس کرنے کی قطعی اجازت نہیں اور اگر ایسے معالج سے کسی مریض کو نقصان پہنچا تو اس کا تاوان معالج کو ادا کرنا پڑے گا۔ (لاء آف میڈیکل جنرل، ۲۶)

قادیانیو! سوچو کہ اگر مرزا قادیانی آج اس دور میں زندہ ہوتا تو یقیناً ایک مجرم کی حیثیت سے اس پر مقدمہ چلتا اور وہ جعل سازی کرنے اور لوگوں کو موت کے گھوڑے پر سوار کرنے کے جرم میں پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جاتا۔ پھر تم کفِ افسوس ہی ملتے رہ جاتے کہ کاش ہمارا نبی طب و حکمت کے میدان میں قدم نہ رکھتا تو شاید پھانسی کے پھندے سے بچ جاتا اور یہ ذلت و رسوائی دیکھنا نصیب نہ ہوتی۔

☆☆☆

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

ادارہ　　مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں

اخبارُالاحرار

قومی مفاہمتی آرڈیننس کرپشن کے جواز کی سودے بازی ہے۔(سید عطاء المہیمن بخاری)

چیچہ وطنی (۶/اکتوبر) مجلس احرار اسلام کے امیر مرکزیہ سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا ہے کہ قومی مفاہمتی آرڈیننس دراصل سودے بازی کا دوسرا نام ہے جو جنرل پرویز نے اپنے بچاؤ کے لیے جاری کیا ہے۔ کیوں کہ ''سب سے پہلے پاکستان'' کا شور مچانے والے اب ''سب سے پہلے میں'' کے فارمولے پر عمل پیرا ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ تقدیر کے سامنے تدبیریں بے بس ہو جایا کرتی ہیں۔ وہ ملتان سے چناب نگر جاتے ہوئے چیچہ وطنی میں اخبار نویسوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ سیاست دانوں کی کرپشن کے خاتمے کو اپنا سلوگن قرار دینے والے اب اسی کرپشن کو سندِ جواز بخش کر خود کرپشن کا موجب بن رہے ہیں۔ اصل میں جب یہ تشریف فرما ہوئے تھے۔ اُس وقت بھی ان کا ایجنڈہ وہ نہ تھا جو بتایا گیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ملک لوٹنے والے سیاست دانوں کی مالی واخلاقی اور سیاسی بدعنوانیوں کو ''وائٹ'' کرنے کا ان کو کوئی قانونی یا اخلاقی حق حاصل نہیں۔

مجلس احرار اسلام کی رکنیت سازی اور انتخابات ۲۰/نومبر تک مکمل کریں۔(مولانا محمد مغیرہ)

چیچہ وطنی (۶/اکتوبر) جامع مسجد احرار چناب نگر کے خطیب اور مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی ناظم انتخابات مولانا محمد مغیرہ نے احرار کی جملہ ماتحت شاخوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ حسبِ ضابطہ اپنی مقامی شاخوں کے انتخابات ۲۰/نومبر تک مکمل کر کے مرکزی دفتر ملتان کو رپورٹ کریں۔ مجلس احرار اسلام کی جدید رکنیت ومعاونت سازی کی مہم کے سلسلہ میں چیچہ وطنی کے دورہ کے موقع پر ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ تنظیم سازی کو منظّم بنیادوں پر آگے بڑھانے کی ضرورت ہے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے نئی صف بندی کے بغیر پیش رفت ممکن نہیں۔ انھوں نے کارکنوں پر زور دیا کہ وہ تحفظ ختم نبوت کے حقیقی تقاضوں کا ادراک کریں اور موجودہ سیاسی کشمکش میں خطرناک حد تک بڑھتی ہوئی قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں سے قوم کو میڈیا کے ذریعے آگاہی دیں اور اجتماعی شعور بیدار کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ علاوہ ازیں انھوں نے مجلس احرار اسلام کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ سے ملاقات کی اور جدید تنظیم سازی کے سلسلہ میں صلاح مشورے کیے۔

جدید مفکر اور بے دین دانش ور شریعت کے نام پر ارتداد پھیلا رہے ہیں۔(حافظ عابد مسعود)

ساہیوال (۶/اکتوبر) میڈیا کے جدید دور میں دین اسلام کی تشریح کرنے والے جدید مفکر اور بے دین دانشور مسلمانوں میں خدا کی نازل کردہ حرام اور ناپسندیدہ اشیاء کی نفرت میں کمی کرتے جا رہے ہیں۔ وہ شریعت اسلامیہ میں آسانیاں ڈھونڈنے کے لیے نام نہاد شرعی جواز نکال کر ارتداد کی راہیں کھول رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار مجلس احرار اسلام کے ضلعی ناظم دعوت وارشاد حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر نے جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے کہا کہ مغرب کے مستشرقین کے تعلیم یافتہ اور دانشور عوام کو روشن خیالی کے خواب سنا کر دراصل ان کو تاریکی کے گھڑے میں پھینک رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام ان گمراہ کن نظریات پھیلانے والوں سے بچنے کے لیے اہل علم سے تعلق جوڑیں جو صحیح دین اسلام کی تعلیم دے رہے ہیں۔

قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری کا مسجد طوبیٰ فیصل آباد میں خطاب

فیصل آباد (۹/اکتوبر) مجلس احرار اسلام کے مرکزی امیر ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری

مدظلہ نے رمضان المبارک کی ستائیسویں شب مسجد طوبیٰ گلبرگ فیصل آباد میں فضائل رمضان وقرآن کے موضوع پر اصلاحی بیان فرمایا۔ جب کہ مدیر ''نقیبِ ختم نبوت'' سید محمد کفیل بخاری نے رمضان المبارک کا تیسرا جمعہ پڑھایا اور اجتماعِ جمعہ سے خطاب فرمایا۔ اس موقع پر بزرگ احرار رہنما حاجی غلام رسول نیازی، محمد اشرف علی احرار، قاری حفظ الرحمٰن احرار، جناب محمود احمد اور فیصل آباد کے احرار کارکن کثیر تعداد میں موجود تھے۔

ساہیوال میں قادیانیوں کی سیل عبادت گاہ کھولنے پر احتجاج

چیچہ وطنی (۱۴/اکتوبر) ساہیوال میں ۲۶/اکتوبر ۱۹۸۴ء کو قادیانیوں کے ہاتھوں دو مسلمانوں قاری بشیر احمد حبیب (صدر مجلس احرار اسلام و مدرس جامعہ رشیدیہ) اور اظہر رفیق کی شہادت کے بعد سیل ہونے والی قادیانی عبادت گاہ کو قادیانیوں کی طرف سے جبراً کھولنے اور ملک بھر میں بڑھتی ہوئی قادیانی ریشہ دوانیوں کے خلاف کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال کی اپیل پر عیدالفطر کے موقع پر ''یوم احتجاج'' منایا گیا۔ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام، خطباء اور دینی رہنماؤں نے خطبات عید کے دوران صدائے احتجاج بلند کی اور قراردادیں منظور کی گئیں۔ مولانا عبدالرشید راشد، مولانا محمد ارشاد، مولانا عبدالستار، پیر مظہر فرید، سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ، ڈاکٹر سعید احمد اسحاق، مفتی ولایت اقبال، قاری منظور احمد طاہر، قاری احمد یار صدیقی، مولانا احمد ہاشمی، حافظ مختار احمد، قاری بشیر احمد، قاری محمد زاہد، قاری عبدالجبار، مولانا کلیم اللہ رشیدی، قاری سعید ابنِ شہید، مولانا محمد شفیع قاسمی، قاری شکیل احمد عثمان اور دیگر حضرات نے عیدالفطر کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عید کے موقع پر جمعۃ الوداع کے روز قادیانیوں نے ایک گھناؤنی اور خطرناک کاروائی کر کے ضلع ساہیوال کے امن کو ایک بار پھر تباہ کرنے کو کوشش کی اگر پولیس بروقت نوٹس نہ لیتی تو صورتحال بگڑ بھی سکتی تھی۔ مقررین نے کہا کہ قادیانی فتنہ موجودہ حکومت کے دور میں زیادہ آسانیوں کے ساتھ خلافِ اسلام اور خلافِ آئین سرگرمیوں میں مصروف ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام طبقات قادیانی سازشوں سے عوام کو آگاہ کریں۔ ضلع بھر کے اجتماعات عید میں قراردادوں میں پرزور مطالبہ کیا گیا کہ ۱۲/اکتوبر کو ساہیوال میں قادیانی شرانگیزی کا نوٹس لیا جائے اور حفیظ الدین ایڈووکیٹ سمیت تمام ملزمان کے خلاف حسب ضابطہ کارروائی عمل میں لائی جائے، امتناعِ قادیانیت قوانین پر سختی سے عمل درآمد کرایا جائے، قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے روکا جائے۔ علاوہ ازیں مرکزی مسجد عثمانیہ چیچہ وطنی میں نمازِ عیدالفطر کے اجتماع میں ایک اور قرارداد کے ذریعے جنرل ہسپتال لاہور کو ایک امریکی کمپنی سیمی (Cime) کے ذریعے ڈاکٹرز ہسپتال والے ڈاکٹر مبشر احمد قادیانی گروپ کو دیئے جانے کے حکومتی ارادے کی شدید الفاظ میں مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ جنرل ہسپتال کو نجکاری کے نام پر ہرگز قادیانیوں یا کسی دوسرے ادارے یا کسی این جی او کے سپرد نہ کیا جائے۔

قادیانیوں نے اپنی سیل عبادت گاہ غیر قانونی طور پر کھول کر امن تباہ کرنے کی سازش کی

ساہیوال (۱۶/اکتوبر) ۲۳ سال قبل ساہیوال میں جامعہ رشیدیہ کے استاد اور مجلس احرار اسلام کے صدر قاری بشیر احمد حبیب اور اظہر رفیق کی قادیانیوں کے ہاتھوں شہادت کے بعد دفعہ ۱۴۵ کے تحت سیل ہونے والی متنازعہ قادیانی عبادت گاہ کو غیر قانونی طور پر کھولنے اور اشتعال پھیلانے پر شاہد نصیر باجوہ اور حفیظ الدین ایڈووکیٹ سمیت تمام ذمہ دار قادیانیوں کے خلاف فوری اور مؤثر کارروائی کی جائے اور امتناعِ قادیانیت قوانین پر عمل درآمد کی صورتحال بہتر بنائی جائے۔ یہ مطالبہ کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے ایک اجلاس میں کیا گیا جو جامعہ علوم شرعیہ کے ناظم محمد عبدالفتاح کی زیر صدارت جامعہ اشرفیہ مرکزی جامع مسجد عیدگاہ ساہیوال میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی میزبانی میں منعقد ہوا اور اس میں مولانا عبدالستار، قاری

منظور احمد طاہر، قاری عبدالجبار، پیر محمد مظہر شاہ، عبداللطیف خالد چیمہ، قاری سعید ابن شہید، شیخ شاہد حمید، شیخ اعجاز احمد رضا، منور علی ،سیف اللہ بلوچ، محمد اسلم بھٹی، حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر، محمد ارشد چوہان، ابونعمان چیمہ، قاری محمد طاہر رشیدی، قاری زاہد اقبال ،مولانا عبدالباقی، قاری عتیق الرحمٰن، قاری بشیر احمد، قاری محمد رفیق، محمد معاویہ راشد، مولانا محمد صفدر عباس، حاجی محمد شریف قاسم ،عبدالرزاق مجاہد، محمد رمضان مجاہد، مہر علی، نوید فاروقی، محمد ارشد ٹھیکیدار اور دیگر حضرات نے شرکت کی۔ مجلس احرار اسلام، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت موومنٹ، جمعیت علماء اسلام، جماعت اسلامی، جماعت اہل سنت، مرکزی جمعیت اہل حدیث، بزم رضا اور مدارس دینیہ سمیت تمام مکاتبِ فکر کے نمائندوں اور سیاسی وسماجی شخصیات نے اس امر پر اتفاق کیا کہ قادیانیوں نے جان بوجھ کر ایک گھناؤنی کارروائی کے ذریعے ساہیوال کے امن کو ایک بار پھر خراب کی کوشش کی لیکن پولیس نے اس شرانگیزی کا بروقت سدباب کرلیا ورنہ صورتحال بگڑ بھی سکتی تھی۔ شہداء ختم نبوت ساہیوال کیس کے مدعی اور مجلس احرار اسلام کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے اجلاس کو بتایا کہ صدر ضیاء الحق مرحوم کے دورِ اقتدار میں اپریل ۱۹۸۴ء میں امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری ہوا تھا۔ جس پر ہم نے جامعہ رشیدیہ کے پلیٹ فارم سے ساہیوال میں قادیانیوں کی طرف سے اسلامی شعائر کے استعمال پر احتجاج کیا۔ جس کے نتیجے میں ۲۶/اکتوبر کو قاری بشیر احمد حبیب اور اظہر رفیق کو قادیانیوں نے گولیوں سے شہید کردیا۔ ہم نے لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا کرنے کی بجائے مکمل طور پر قانونی راستہ اختیار کیا اور ایک طویل عدالتی جنگ لڑی اور قادیانیوں کو ملٹری کورٹ نے سزائیں سنائیں پھر بے نظیر بھٹو کے دور میں ہائی کورٹ نے سزایافتہ قادیانیوں کو رہا کردیا اور ہم نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جو زیر سماعت ہے۔ انھوں نے بتایا کہ قادیانی عبادت گاہ چونکہ مسجد کی شکل پر بنی ہوئی تھی جو خلاف اسلام بھی ہے اور خلاف آئین وقانون بھی اسی لیے وقوعہ کے روز ہی پولیس تھانہ اے ڈویژن ساہیوال نے اس جگہ کو متنازعہ قرار دے کر دفعہ ۱۴۵ کی کارروائی کرتے ہوئے سیل کردیا تھا اور یہ مقدمہ بھی ساہیوال کی عدالت میں ہے اور ہم اس میں فریق ہیں۔ جمعۃ الوداع کے موقع پر قادیانیوں نے عیدالفطر کی چھٹیوں کا فائدہ اٹھا کر ۱۲/اکتوبر کو سراسر غیر قانونی طور پر عبادت گاہ کی سیل توڑی اور صفائی شروع کردی۔ اگر پولیس بروقت کارروائی نہ کرتی تو حالات خراب بھی ہوسکتے تھے۔ مفتی پیر محمد مظہر فرید شاہ ،محمد عبدالفتاح، قاری منظور احمد طاہر، قاری محمد طاہر رشیدی، قاری عبدالجبار، شیخ شاہد حمید اور دیگر حضرات نے کہا کہ تمام مکاتبِ فکر کو مشترکہ جدوجہد کے ذریعے پرامن طور پر فتنہ قادیانیت کے سدباب کے لیے منظم کوشش کرنی چاہیے۔ مقررین نے اس امر پر بھی تشویش کا اظہار کیا کہ حسین آباد کالونی ساہیوال میں قادیانی ارتدادی سرگرمیاں کھلے عام جاری ہیں اور سرکاری انتظامیہ اور پولیس کارروائی سے گریزاں ہے۔ مقررین نے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو آئین کا پابند بنایا جائے۔ بصورتِ دیگر اشتعال بڑھے گا۔ اجلاس میں ایک کمیٹی قائم کی گئی جو متعلقہ حکام سے ملاقات کرکے صورتحال کی سنگینی سے آگاہ کرے گی۔

[redacted]

مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی ناظم نشریات عبداللطیف خالد چیمہ حسبِ دستور جدید رکنیت ومعاونت سازی اور مقامی جماعتوں کے انتخابات کے سلسلے میں ان شاء اللہ تعالیٰ

☆ ۲/نومبر ۲۰۰۷ء جمعۃ المبارک کو کمالیہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ اور جھنگ

☆ ۳/نومبر ہفتہ کو بورے والا

☆ ۴/نومبر اتوار کو گڑھا موڑ، چشتیاں، حاصل پور، شہلی اور بہاول نگر کا تنظیمی دورہ کریں گے۔

احبابِ جماعت مطلع رہیں اور ضابطے کی کارروائی مکمل کررکھیں۔

مولانا عبدالرشید ربانی بنام عبداللطیف خالد چیمہ

بخدمت برادرِ محترم جناب عبداللطیف خالد چیمہ صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے اور اختتام رمضان کی برکات سمیٹ رہے ہوں گے۔ دعاؤں میں ہم فقیروں کو یاد رکھیں جزاک اللہ۔ برطانیہ سفر کے دوران آپ کا فون آیا تھا۔ امید تھی کہ ملاقات ہوگی مگر محرومی رہی۔ میں آپ کا فون نمبر بھی محفوظ نہ رکھ سکا۔

مجلّہ ''نقیب ختم نبوت'' جب ملا تو اس میں آپ کے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کی خبر پڑھ کر صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو جنت الفردوس میں ٹھکانہ عطا فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے جملہ اہل خانہ عزیز واقارب کو اس حادثہ پر صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ جو ختم نبوت کا علم بلند کیے ہوئے ہیں اور ہمہ وقت اس میں مصروف ہیں۔ ان شاء اللہ یہ آپ کے والد گرامی کے لیے صدقۂ جاریہ ہے اور نجات کا ذریعہ ہے۔ امیر مجلس پیر جی مدظلہ ودیگر احباب کی خدمت میں نیازمندانہ سلام عرض ہے اور دعا کی درخواست ہے۔

''نقیب'' کے مضامین بہت عمدہ ہیں۔ قادیانیت کا تعاقب، وقت کے فرعونوں کا محاسبہ، حالاتِ حاضرہ اور امت کے اتحاد واتفاق پر مقالہ جات بہت جاندار ہیں۔ اللہم زدفزد۔ آمین

والسلام

محتاجِ دعا

عبدالرشید ربانی

خادم جمعیت علماء ڈیوزبری، برطانیہ

۲۹ رمضان ۱۴۲۸ھ، ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۷ء

☆☆☆

مجلس احرار اسلام کی رکنیت سازی

مجلس احرار اسلام کے رکن بنیں

مجلس احرار اسلام کی دعوت

- ★ عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ
- ★ قادیانیت اور دیگر فتنوں کا محاسبہ
- ★ حکومتِ الٰہیہ کا قیام
- ★ اسلام کی تعلیم وتبلیغ
- ★ رضائے الٰہی کا حصول

تمام ماتحت شاخیں 20 نومبر 2007ء تک رکنیت ومعاونت سازی اور مقامی انتخابات مکمل کر کے مرکزی دفتر ملتان ارسال کر دیں۔

رابطہ

مولانا محمد مغیرہ

(ناظم انتخابات مجلس احرار اسلام)

0301-3138803

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 0300-6326621,061-4511961

E-mail:majlisahrar@yahoo.com,majlisahrar@hotmail.com

Web site:www.mahrar.com

شعبہ نشرواشاعت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

Adarts-SJLS-1/2001

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی
سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ
28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

الحمدللہ

مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر پر گامزن ہے اور تسلسل کے ساتھ ترقی کررہا ہے۔ طلباء کے لیے مدرسہ معمورہ اور طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری ومڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے۔

- دارالقرآن
- دارالحدیث
- دارالمطالعہ
- دارالاقامہ

کی تعمیر میں حصہ لیں

طلباء کی درس گاہوں، رہائش، دفتر اور لائبریری کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دومنزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔ لاگت فی کمرہ دولاکھ پچاس ہزار روپے ہے۔ صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد وسامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
ترسیل زر
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165

رابطہ
061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

الداعی الی الخیر
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
امیر
مجلس احرار اسلام پاکستان

Designed by 0321-6358191